"میں راکیش بول رہا ہوں۔" میں نے اسی آواز میں کہا جس میں گزشتہ رات پانڈے سے بات کی تھی۔

"راکیش ... کون راکیش۔" دوسری جانب سے قدرے ہچکچاہٹ سے پوچھا گیا۔

"وہی راکیش جس نے کل رات تمہارے بیڈروم میں داخل ہو کر رنگ میں بھنگ ڈالا تھا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "مجھے وشواس ہے کہ تم نے اب سیوک کو پہچان لیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی بتا دوں کہ اس سمے تم اور تمہاری سندر پتنی...."

"میرا خیال ہے کہ کل رات ہماری گفتگو مکمل ہو گئی تھی۔" دوسری جانب سے بیزاری کا اظہار کیا گیا۔

"یہ تمہارا خیال ہے میرا نہیں۔" میں نے تیزی سے خشک لہجے میں کہا۔ "دہشت گردوں کے بارے میں جب تک مجھے مکمل حالات نہیں معلوم ہوں گے ہماری گفتگو کا سلسلہ نہیں ختم ہوگا۔"

"میں تمہیں حالات سے آگاہ کر چکا ہوں اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی معلومات نہیں ہیں۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم بہت کچھ جانتے ہو لیکن موہنی کی شکتی کے خوف کے مارے زبان نہ کھول رہے ہو۔"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں کل رات بھی اپنی زبان بند ہی رکھتا۔"

پانڈے کا جواب معقول تھا' وہ چاہتا تو ان لوگوں کے سلسلے میں اپنی زبان کو تالے بھی لگا سکتا تھا جنہوں نے میرے مکان کو آگ لگائی تھی' میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ پانڈے جو کہہ رہا ہے وہ غلط نہیں ہے پھر بھی میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ ان لوگوں نے دانش کے سر کی کیا قیمت مقرر کی ہے؟"

"نہیں۔"

"پورے دس لاکھ۔"

"لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"ان کا کہنا ہے کہ دس لاکھ کی رقم تمہیں پہنچا دی جائے اس کے بعد دانش کو زندہ چھوڑ دیا جائے گا۔"

"مجھے اس سلسلے میں بھی کسی بات کا علم نہیں۔"

"اب اتنے بھولے بھی نہ بنو پانڈے جی مہاراج" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔ "کیا تم حالات سے واقف ہوئے بغیر کسی سے اتنی بڑی رقم وصول کرو گے؟"

"وشواس کرو۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی ہدایت نہیں ملی۔"

"اور اگر کوئی رقم لے کر تمہارے دفتر تک پہنچ جائے تو..... کیا تم اسے لینے سے انکار کر دو گے؟"

"میں نے کہا نا کہ ابھی تک مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے لیکن تم اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔ کیا تم شہباز خان کے کوئی آدمی ہو؟"

"بات اب منش کی نہیں۔ طاقت کی آ گئی ہے" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "جس طرح موہنی تمہاری سہائتا کر رہی ہے اسی طرح میں شہباز خان کی مدد کر رہا ہوں۔ جانتے ہو کیوں۔ کبھی موہنی اور میرا بڑا مضبوط شریر بندھن تھا لیکن اب وہ گھمنڈی ہو گئی ہے اور میں اس کے گھمنڈ کو توڑنے کا ارادہ کر چکا ہوں اگر موہنی کا فون آئے تو اسے اتنا ضرور بتا دینا کہ وہ راکیش سے بگاڑ کر اپنے راستے میں کانٹے ہی بو رہی ہے' ایک نہ ایک دن اسے پھر سے میرے چرنوں میں جھکنا پڑے گا۔ یہ راکیش کا


# اسلم راہی ایم-اے
# کے تاریخی ناول

| | |
|---|---|
| صلیب و حرم | 125/- |
| نیشاپور کا شاہین | 150/- |
| بابل کا بت شکن | 150/- |
| طلسم کدہ | 175/- |
| آتش فشاں | 150/- |
| آخری حصار | 200/- |
| بنت نیل | 125/- |
| سائبیریا کا طوفان | 150/- |
| آتش و آہن | 150/- |
| ظلمات | 150/- |

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2


فیصلہ ہے۔ اٹل فیصلہ جسے دھرتی کی کوئی شکتی نہیں ٹال سکتی۔"

"یہ تمہاری آپس کی بات ہے لیکن میں....."

"تمہیں موہنی نے اپنا کھلونا بنایا ہے میں نے نہیں۔" میں نے پانڈے کا جملہ کاٹتے ہوئے سوچ لہجے میں کہا۔ "موہنی کی طرح میں بھی تمہارے من کے اندر جھانک سکتا ہوں' تمہاری سوچوں کو پڑھ سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے ابھی تک مجھ سے جھوٹ نہیں بولا اسی لیے تمہیں شما دے رہا ہے پرنتو یاد رکھو جس دن تم نے راکیش کا راستہ کاٹنے کی کوشش کی وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہوگا۔ بہتی چاہتے ہو تو مجھ سے بھی بگاڑ کرنے کی کوشش نہ کرنا..... اور تم اگر چاہو تو یہ بات اپنی موہنی رانی یا کول وسا کو بھی بتا سکتے ہو۔"

میں نے اپنا جملہ مکمل کرتے ہی ریسیور کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ پانڈے کے بارے میں ایک بار پھر مجھے یہی نظریہ قائم کرنا پڑا کہ موہنی کی قوت اسے محض ایک کھلونے کی طرح استعمال کر رہی ہے ورنہ وہ ذاتی طور پر ان تمام معاملات میں ملوث نہیں تھا۔ مگر یہ باتوں کا وقت نہیں تھا میں نے گھڑی کی طرف نظر اٹھائی جو وقت مجھے دیا گیا تھا اس کے پورا ہونے میں صرف پندرہ منٹ اور باقی رہ گئے تھے۔ میری کیفیت اس آدم خور شیر جیسی تھی جو شکار پر جھپٹتے وقت اچانک کسی گہری کھائی میں گر گیا ہو۔

میں نے اس بات کا مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ دس لاکھ کی رقم کم از کم پانڈے کے حوالے نہیں کروں گا' اس طرح نہ صرف میں پانڈے کی نظروں میں بزدل بن جاتا بلکہ میری کاروباری ساکھ بھی خراب ہو جاتی' ماسٹر نولی کے بعد دانش میرے لیے بہت اہم ہو گیا تھا' میں اس کی خاطر کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن موہنی' کول وسا یا پانڈے کے سامنے گھٹنے نہیں ٹیک سکتا تھا' ایک کلمہ گو مسلمان ہونے کی حیثیت سے باطل قوتوں کے سامنے جھک جانا یوں بھی میری شان کے خلاف تھا۔

وقت تیزی سے اپنی مسافت طے کر رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ میری وحشت بھی بڑھتی جا رہی تھی کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا' دوسری جانب نیم تھا۔

"سیدھے کیسینو آ جاؤ۔" مختصرا" کہا گیا پھر سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں تیزی سے قدم اٹھاتا باہر آیا اور گاڑی میں بیٹھ کر کیسینو روانہ ہو گیا' ندیم کے مختصر جملے نے ایک بار پھر مجھے ذہنی جمناسٹک پر مجبور کر دیا تھا۔ میں برق رفتاری کا مظاہرہ کرتا کیسینو پہنچا جہاں گیٹ پر موجود ایک شخص نے مجھے کیسینو کے نشست روز مجھے تک پہنچا دیا جہاں ندیم کے علاوہ دانش بھی موجود تھا دانش کے چہرے پر نظر آنے والے نیل کے دھبے اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ اسے دشمنوں نے خاصی بری طرح ٹارچر کیا ہے وہ ایک کرسی پر بیٹھا آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا وہ شدید تھکن میں ڈوبا ہوا تھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی ایسی علامت بھی نہیں تھی جسے اس کی بزدلی یا گھبراہٹ سے تعبیر کیا جا سکتا مجھے دیکھ کر ایک لمحے کو اس کی نگاہوں میں خوشی کی چمک جاگ اٹھی تھی۔ میں نے ندیم کی جانب دیکھا جو آتش دان کے قریب کھڑا کسی گہری سوچ میں غرق تھا' کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ چار افراد اور بھی تھے جن کے چہرے' قد و قامت اور لباس حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے' ندیم بدستور اپنی ظاہری شکل میں موجود تھا۔

"خان جابر کو لاؤ۔" اچانک وہ اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا جس کے جواب میں ایک شخص تیزی سے باہر چلا گیا۔

"دانش تمہیں کہاں سے ملا۔" میں نے ندیم سے پوچھا۔

"اتفاق ہی سمجھو جو قسمت نے یاوری کی ورنہ پوزیشن اس وقت کچھ اور ہی ہوتی۔"

"کیا مطلب ہے....؟"

"دس لاکھ کی ادائیگی کے بعد تمہارے دانش صاحب حسب وعدہ تمہیں واپس کر دیے جاتے لیکن اکڑی ہوئی لاش کی صورت میں۔"

"تم یہ بات اس قدر وثوق سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"اس لیے کہ میں بھی اسی میدان کا کھلاڑی ہوں جس کے ایک فرد نے دانش کو اغوا کیا تھا۔" ندیم زہر خند سے بولا۔

"کیا فون پر تم نے اس کی آواز پہچان لی تھی؟"

"ایک شبہ ہوا تھا لیکن یہ درست ہی ثابت ہوا۔"

"آئی سی۔" میں نے کہا۔ "شاید تم نے اسی غرض سے مجھے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھنے کو کہا تھا؟"

"ہاں تم نے بالکل ٹھیک کہا۔"

"لیکن تمہیں اس بات کا علم کس طرح ہو گیا کہ دانش کو کس جگہ رکھا گیا ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"یہ سب تجربے کی باتیں ہیں۔ ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ندیم کا ایک آدمی ایک ایسے شخص کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا جو صورت سے ہی کوئی خطرناک شخص لگتا تھا۔ اس کی عمر چالیس سے تجاوز کرتی ہوئی تھی' وہ دوہرے بدن اور دراز قد کا مالک تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی اور سفاکی کا ملا جلا تاثر جھلک رہا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے تھے لیکن وہ کسی طرح بھی خوفزدہ نہیں دکھائی دیتا تھا' بائیں گال پر ایک گہرا گھاؤ تھا جس نے اس کی شکل کو اور بھیانک بنا دیا تھا اس نے تنگ جینز کی پتلون پہن رکھی تھی جس پر اسی رنگ سے ملتی جلتی قمیض تھی جس کی دونوں آستینوں کو کہنیوں تک چڑھا لیا گیا تھا گلا تقریباً کھلا ہوا تھا جس سے اس کا چوڑا چکلا سینہ اور اس پر سیاہ رنگ کے بڑے

aazzamm@yahoo.com

بڑے بال واضح طور پر نظر آ رہے تھے کشادہ پیشانی پر نظر آنے والی شکنیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ کسی شدید انتقامی کارروائی کے امکانات پر غور کر رہا تھا کمرے میں داخل ہونے کے بعد سے وہ برابر ٹکٹکی باندھے ندیم کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا جیسے سات آدمیوں کے نرغے میں ہونے کے باوجود بڑا بے خوف نظر آ رہا تھا۔

ندیم کچھ دیر تک خان جابر کو سنجیدگی سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"کیوں خان جابر۔۔۔ اس وقت تم کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

"مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔۔۔ یا یوں کہہ لو کہ خان جابر نے کبھی کسی بھی حالات سے خوفزدہ ہونا نہیں سیکھا۔" خان جابر کے لہجے میں کرختگی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اگر ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں تو زیادہ مناسب ہوگا۔ کیوں' تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہاتھ پشت پر باندھ کر دوستانہ ماحول میں کوئی بات چیت نہیں ہوتی۔" خان جابر نے حقارت سے کہا۔

"یہ وقت کی ضرورت ہے ورنہ تم جانتے ہو کہ میں کھیل کو زیادہ طول دینے کا عادی نہیں ہوں۔"

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔۔۔" خان جابر نے بے پروائی سے پوچھا۔

"فون پر دانش کے عوض دس لاکھ والے سودے کی بات کس نے کی تھی۔"

"میں نے۔" خان جابر سیدھا تن کر بولا۔ "شاید اسی لیے تم بہ آسانی ہمارے ٹھکانے تک پہنچ گئے۔"

"دانش کو کس نے اغوا کیا تھا؟"

"میں نے۔"

"نہیں۔۔۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے جیسے لوگ اغوا برائے تاوان جیسے معاملات میں ٹانگ پھنسانا پسند نہیں کرتے۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے تمہارے آدمی کو کس نے اغوا کیا ہوگا؟"

"کوئی دوسری شخصیت جس کے لیے تم کام کر رہے ہو۔"

"جب جانتے ہو تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔"

"میں تم سے اس کا نام سننا زیادہ پسند کروں گا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم خان جابر کی زبان کھلوا لوگے۔" خان جابر کا جواب بڑا تحقیر آمیز تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اپنے اصول کے معاملے میں تم بہت سخت جان واقع ہوئے ہو۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم زبان کے دھنی ہو' جس کے ساتھ گٹھ جوڑ ہو جائے اس کے خلاف ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟" خان جابر مسکرایا۔ "وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟"

"تمہیں اس کام کے عوض کتنی رقم ملی ہے۔"

"سوری۔۔۔ یہ ہمارا بزنس سیکریٹ ہے۔" خان جابر نے بے پروائی سے جواب دیا۔

"میں تمہیں اس کی دگنی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں۔"

"خان جابر کو لالچ دینا چاہتے ہو؟"

"دنیا کی ہر سودے بازی میں کوئی نہ کوئی لالچ ضرور ہوتی ہے۔"

"اور اگر میں سودا قبول کرنے سے انکار کردوں تو؟"

"خسارے میں رہو گے۔" اس بار ندیم نے سوچنے میں کہا۔ "میرے جاں نثاروں نے جس طرح تمہیں چوہے کے بل سے نکال لیا ہے اسی طرح تمہارا باس بھی بہت جلد ہمارے قبضے میں ہوگا۔"

"سوچ پر کوئی پابندی نہیں ہے' تم جو چاہے سوچ سکتے ہو۔" خان جابر نے شانہ اچکا کر ایک بار پھر بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔

ندیم کے ساتھی بدستور مستعد نظر آ رہے تھے ابھی تک ان میں سے کسی نے زبان نہیں کھولی۔ صرف مشینی انداز میں ندیم کے حکم کی تعمیل کر رہے تھے' خان جابر ندیم سے باتیں کرتے ہوئے ان چاروں کی طرف بار بار دیکھنے لگتا۔ شاید انہیں فردا" فردا" شناخت کرنے کی کوشش میں مصروف تھا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ ابھی تک اسے اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔

دانش بدستور کرسی پر بیٹھا درد کی شدت کو محض کم کرنے کی خاطر بار بار کراہ رہا تھا' اس کا حلیہ بتا رہا تھا کہ اغوا کرنے کے بعد اسے شدید جبر و تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہوگا وہ یقیناً بڑا سخت جان اور حوصلہ مند واقع ہوا تھا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اپنے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھتا۔

میں ابھی تک ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے کھڑا دانش کی بازیابی اور خان جابر کی گرفتاری کے بارے میں غور کر رہا تھا ایک بات اپنی جگہ طے تھی کہ ندیم نے فون پر خان جابر کی آواز پہچان لی تھی ورنہ اتنی جلدی وہ خان جابر پر ہاتھ نہ ڈال سکتا خان جابر کے ہاتھ آجانے کے بعد اس شبہ کو خاصی تقویت ملی تھی کہ سوہنی اور مافوق قوتوں نے جو ابھی تک براہ راست مجھے اور ندیم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکی تھیں کرائے کے دہشت گردوں کو بانٹنے کی آڑ میں میدان میں لانے کی کوشش کی تھی۔ میرے گھر میں لگنے والی آگ کی اطلاع مجھے سوہنی نے دی تھی جبکہ ندیم اور ڈی ایس پی سراج کو ہوائی آواز میں اس سانحے کی اطلاع ملی تھی اگر میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو خان جابر اس کے گروہ کے لوگوں نے ہی ندیم اور سراج کو آگ لگنے کی اطلاع دی تھی اگر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے تو میں باپ کے بعد ماں کی ممتا سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتا۔ اس خیال کے آتے ہی میرے اندر کا وہ انسان جاگ اٹھا جو ابد سے جان کا بدلہ جان اور مال کا مال کے اصولوں پر کاربند رہا تھا۔ بدلتے موسموں اور بدلتے ادوار نے انتقام کے اس قدرتی جذبے کو مختلف رنگوں میں ڈھال دیا تھا لیکن اس کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

انتقام ہر حال میں انتقام ہی کہلائے گا چاہے وہ خود لیا جائے یا پھر کرائے کے قاتلوں کی خدمت مستعار لے کر اس جذبے کو تسکین پہنچانے کا ذریعہ بنایا جائے۔ انتقام کی اسی دوسری شکل نے آج ہمارے درمیان بے شمار محاذ کھول دیے ہیں جس کے پس منظر میں کھڑا ایک شخص دوسرے شخص کے خون سے ہولی کھیلنے کی کوشش کر رہا ہے' بازار میں جس چیز کی کھپت زیادہ ہو وہ بہت جلدی پروان چڑھتی ہے' شاید اسی انتقامی جذبوں نے وقت کے ساتھ تنگ دستوں اور سرپھروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا' وہ کرائے کے قاتل اور دہشت گرد کہلانے لگے اور بازار میں ان کی مانگ بڑھتی رہی جس سے ایک طرف انتقامی جذبوں کی تسکین ہوتی رہی تو دوسری طرف ہزاروں جرائم نے بھی جنم لینا شروع کردیا جو اپنی جڑیں تیزی سے پھیلاتے رہے' رسد و طلب کا یہ معاشی نظام جو کل تھا وہ آج بھی ہے صرف اس کے انداز وقت کے ساتھ ساتھ بدل گئے ہیں لاٹھی اور ڈنڈوں کی جگہ چھری چاقو نے لے لی پھر چاقو کی جگہ بندوقیں استعمال کی جانے لگیں اور اب سائنس کی ترقی کے ساتھ جدید و خودکار آتشی اسلحہ اور دھماکہ خیز آتش گیر مادے بھی استعمال ہو رہے ہیں۔

میری نظریں خان جابر پر جمی ہوئی تھیں۔ میرا خون جوش مار رہا تھا' انتقام کی آگ آہستہ آہستہ میرے وجود کے اندر شعلوں کا روپ اختیار کر رہی تھی۔ خان جابر نے صرف دانش کو اغوا کرنے کا جرم نہیں کیا تھا۔ اس نے یا اس سے متعلق دہشت گردوں نے میری معصوم ماں کو بھی آگ کے بھڑکتے شعلوں میں موت کی اذیت ناک حالت سے دوچار کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اپنے کیے پر شرمندہ ہونے بجائے اس وقت سینہ تانے کھڑا تھا۔ خود کو بے پرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا' غالباً" اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے ساتھی بہت جلد اسے بازیاب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے یا پھر مارے جانے کی صورت میں بھی اس کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

ندیم اس وقت خلاف توقع بہت صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہا تھا ورنہ میں اس کی سفاکی کے متعدد واقعات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لیکن خان جابر کا آخری جملہ سن کر اس کے چہرے پر تناؤ کی صورت پیدا ہونے لگی تھی۔

"خان جابر۔۔۔" اس بار ندیم کے لہجے میں کرختگی تھی۔ "میں تمہیں ایک آخری موقع اور دے رہا ہوں اچھی طرح سوچ لو دشمنی کی صورت میں تم اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو سکتے ہو۔"

"اور اگر میں اپنے سرغنہ یا گروپ لیڈر کا نام بتادوں تو کیا تم مجھے آزاد کردو گے؟" خان جابر معنی خیز انداز میں مسکرایا "نہیں تم مجھے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑو گے اس لیے کہ تم جانتے ہو کہ خان جابر کسی بھی صورت میں اپنے دشمن کو معاف کرنے کا عادی نہیں ہے خواہ وہ اس کا بھائی کیوں نہ ہو' موت اور زندگی اور خون کی شناخت کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے مرنے یا پھر مار ڈالنے کے سوا کوئی تیسرا راستہ تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"خان جابر۔۔۔" اچانک میں نے اسے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔ "تم نے شاید ابھی تک صرف موت کی اذیتیں برداشت کی ہیں' اس کا ذائقہ نہیں چکھا۔"

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔" خان جابر نے حقارت سے جواب دیا۔ "میں دودھ پیتے بچوں کو منہ لگانے کا عادی نہیں ہوں۔"

خان جابر کا جواب سن کر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا' میں نے بجلی کی طرح پوزیشن بدل کر ایک بھرپور مکا اس کے جبڑوں پر رسید کیا تو ایک لمحے کو چکرا گیا۔ شاید خان جابر کے علاوہ کسی اور کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ میں اچانک ایکشن میں آجاؤں گا خان جابر نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن اس کے دونوں ہاتھ چونکہ پشت کی جانب ریشمی ڈور کے ساتھ پوری مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے اس لیے اسے سنبھلنے میں جتنا وقت درکار تھا اس کے اندر ہی اندر میں نے کرائے کا نپا تلا ہاتھ پوری قوت سے اس کی گردن کے جوڑ پر مارا تو وہ بلبلا اٹھا۔ میں نے دوسری بار بھی اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تابڑ توڑ دو رائٹ اور لیفٹ پنچ رسید کیے تو اس کے ہونٹ پر اور آنکھ کے نیچے سے خون کی پتلی لکیریں پھوٹ پڑیں۔

میرے اندر انتقام کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تھی جو خان جابر کے خون ہی سے سرد ہو سکتی تھی' میں اسے زندگی کی سرحدوں سے اس پار روانہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا' باپ کی شکل میرے سامنے تھی جو ہسپتال کے فرش پر خون میں لت پت پڑا زندگی کی آخری سانسیں گن رہا تھا' میری ماں کی وہ بے بسی کی نظریں میرے شعلوں کو ہوا دے رہی تھیں جو موت کے تصور نے ان پر طاری کردیا تھا۔ میرے ہاتھ اور پاؤں مشینی انداز میں چل رہے تھے۔ خان جابر اس اچانک حملے کے لیے تیار نہیں تھا اپنا موثر دفاع نہ کرسکا اور چکرا کر فرش پر گر پڑا۔

میں نے تیزی سے جیب میں ہاتھ ڈالا' میں ریوالور نکال کر اس کے منحوس وجود کو چھلنی کرنے کی ٹھان چکا تھا لیکن ندیم نے مجھے اس حسرت کو پورا کرنے کا موقع نہیں دیا' لپک کر میرا ہاتھ

aazzamm@yahoo.com

تھام لیا۔
"کیا حماقت کر رہے ہو شہباز۔" ندیم کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ "اگر یہ مر گیا تو ایک ٹرمپ کارڈ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اسے اپنی زبان کھولنی پڑے گی۔" میں خود کو ندیم کی گرفت سے چھڑانے کی جدوجہد کرتے ہوئے غرایا۔ "اسے ان کے نام اپنی گندی زبان سے اگلنے پڑیں گے جو میرے دشمن ہیں، جنہوں نے میرے بے قصور والد کو مارا اور پھر میری ماں کی زندگی لینے کی کوشش کی۔ میں انہیں چن چن کر ماروں گا۔"

"صبر سے کام لو۔" ندیم نے مجھے ایک طرف کھینچتے ہوئے سرگوشی کی۔ "یہ ہمارے بڑے کام کا ہے۔ اگر ڈور کا یہ سرا بھی ہاتھ سے نکل گیا تو ہمیں پھر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنی پڑیں گی۔"

میں نے بمشکل خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ خان جابر بھی دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے خون کی کئی لکیریں بہہ رہی رس کر اس کے لباس کو رنگین کر رہی تھیں۔ اس کا لباس بھی دو جگہ سے پھٹ چکا تھا لیکن اس کے تیور ابھی تک نہیں بدلے تھے بلکہ پہلے کے مقابلے میں اور زیادہ خطرناک اور سفاک ہو گئے تھے۔ وہ مجھے بڑی قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

ندیم نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا وہ افراد آگے بڑھے اور وائش کو دوسرے کمرے میں لے گئے لیکن ان دونوں نے واپسی میں بھی بڑی عجلت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"خان جابر۔" ندیم کی کرخت آواز ابھری۔ "تم اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہو۔ ہم اگر چاہیں تو بڑے اطمینان سے کسی قربانی کے بکرے کی طرح تمہارے جسم کی بوٹیاں بنا سکتے ہیں۔ کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوگی لیکن مسلمان ہونے کے رشتے سے..."

"آخ تھو۔" خان جابر نے ندیم کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی تھوکتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہلانے کی کوشش نہ کرو۔ تم بھی جانتے ہو کہ انتقام کی آگ اور دہشت گردی نسلی امتیاز کو خاطر میں نہیں لاتی۔ جب خود کار اسلحہ شعلے اگلنا شروع کرتے ہیں تو ان کے لیے مذہب، رنگ اور نسل کی تفریق ختم ہو جاتی ہے۔ گولیوں کی صرف ایک زبان ہوتی ہے۔ موت، موت اور موت' ان کے لیے مسجد اور مندر کا تقدس بے معنی ہو جاتا ہے۔ اپنے اور پرائے کی پہچان بھی ختم ہو جاتی ہے۔ دہشت گرد اور قاتلوں کا کوئی ملک، دین، دھرم اور ایمان نہیں ہوتا۔ مایوسیاں، مجبوریاں اور کئی وقت کے فاقوں کے بعد جب کوئی رائفل کے دستے پر گرفت جماتا ہے تو پھر اس کا خدا بن جاتا ہے۔"

"تقریر اچھی کر لیتے ہو۔" ندیم نے اسے اکسانے کی خاطر ایک آزمودہ حربہ استعمال کیا۔ "پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے ہاتھ کی بندشیں کھول کر دیکھو پھر میں تمہیں زندگی کے مطلب سمجھاؤں گا۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ میرے صرف دو ساتھیوں نے تمہیں اس وقت دبوچا تھا جب تمہارے ہاتھ اور پیر دونوں آزاد تھے۔"

"اندھیرے میں پشت سے وار کرنا بھی نامردوں کا کام ہے۔" خان جابر غرایا۔ "میری ایک بات کان کھول کر سن لو۔ تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ مجھے گولیوں سے چھلنی کر ڈالو ورنہ زندہ بچ جانے کی صورت میں خان جابر تمہیں پاتال سے نکال کر بھی خارش زدہ کتوں کی موت مارے گا۔"

میں صبر نہ کر سکا۔ میں نے برق رفتاری سے ریوالور نکال کر خان جابر کی ٹانگ کا نشانہ لے کر گولی داغ دی۔ میرا نشانہ خطا نہیں گیا۔ خان جابر کی دائیں ٹانگ کے گھٹنے کی ہڈی کرچیوں میں بدل گئی دوسرے ہی لمحے وہ لڑکھڑا کر منہ کے بل زمین پر الٹ گیا۔ میں نے دوسری بار اس کے سر کا نشانہ لینے کی کوشش کی لیکن ندیم نے میرا ریوالور جھپٹ لیا پھر اپنے چاروں ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "اسے اٹھا کر نمبر تین میں لے جاؤ لیکن یہ مرنے نہ پائے۔ اسے ہر قیمت پر زندہ رہنا چاہیے۔"

میں بدستور اپنی جگہ کھڑا غصے میں کانپ رہا تھا اگر ندیم نے پلک جھپکنے کی دیر کی ہوتی تو میں خان جابر کی کھوپڑی اڑا چکا ہوتا۔ اپنے آدمیوں کے اور خان جابر کے جانے کے بعد ندیم نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب کھینچا۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں اس کے ساتھ چلتا ہوا نئی روز خانے میں بنے ہوئے مختلف چھوٹے چھوٹے کمروں کے درمیانی راستوں سے گزرتا اس کے آفس تک آ گیا۔ آفس سے باہر نکلا تو ہال میں ندیم کے کارندے رات کی تیاری کی خاطر جھاڑ پونچھ اور میز اور کرسیوں کی تزئین اور ترتیب میں مصروف تھے۔ ندیم نے ان میں سے کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سے میرا ہاتھ تھامے کیسینو سے باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا جس کی پچھلی نشست پر بظاہر ایک دبلا پتلا اور مجہول سا شخص پشت گاہ سے ٹیک لگائے باقاعدہ اونگھ رہا تھا۔ دروازہ کھلنے اور بند ہونے کے باوجود اس کی پوزیشن میں کوئی نمایاں فرق نہیں آیا تھا۔ صرف ایک لمحے کو اس کی بائیں آنکھ کی پلکوں کے درمیان ایک معمولی سی دراڑ پیدا ہوئی تھی پھر وہ بھی بند ہو گئی۔

***

گاڑی کا رخ ندیم کی رہائش گاہ کی سمت ہی تھا لیکن اس نے ابھی تک کوئی بات نہیں کی تھی بدستور خاموش بیٹھا ونڈ اسکرین سے پیچھے بھاگتی ہوئی سڑک پر نظر جمائے ہوئے تھا۔

"کیا بات ہے۔" میں نے آدھا راستہ گزر جانے کے بعد ندیم سے پوچھا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم نے جلد بازی کا مظاہرہ کر کے اچھا نہیں کیا۔" ندیم نے

Scanned
By
Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

اسلامی تاریخ کا ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا
ابلیکا
---------- اسلم راہی ایم۔اے
جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک
دنیا کی مکمل تاریخ پیش کی گئی ہے۔
سات جلدوں میں دستیاب ہے۔
مکمل سیٹ -/1850 روپے
ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

aazzamm@yahoo.com

بدستور سامنے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر خان جابر مر گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"کیوں۔ کیا جابر کو گروہ میں کوئی خاص اہمیت حاصل ہے؟"

"ہاں، وہ زبان کا بڑا پکا ہے۔" ندیم نے کہا۔ "تم اگر اس کے جسم کے ٹکڑے بھی کروا دو تب بھی وہ گروہ کے سرغنہ کا نام نہیں بتائے گا۔"

"کیا تم کو بھی معلوم ہے کہ وہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا شبہ بھوشن جوزف پر ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "انتہائی خطرناک اور چالاک پرندہ ہے۔ چھوٹے موٹے کام میں بھی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ میرا شبہ ہے کہ موہنی کی بدروح نے اسی کو پانڈے کی آڑ لے کر تمہارے خلاف کھڑا کیا ہوگا۔"

"بھوشن جوزف۔۔۔" میں نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "شاید میں یہ نام پہلے بھی سن چکا ہوں۔"

"ضرور سنا ہوگا۔ اونچے حلقے میں یہ نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے اس لیے کہ بھوشن ایک بینک کا بلا شرکت غیرے مالک ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کو دل کھول کر قرضے دیتا ہے اور پھر انہیں اس طرح اپنے جال میں پھانستا ہے کہ تلملانے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔ ایک نمبر کا ولد الحرام شخص ہے۔ زیادہ چڑھ جائے تو سینہ تان کر اپنے نام کی کہانی چٹخارے لے لے کر سناتا ہے کہ اس کی ماں ذات کی ہندو تھی اور دوسروں کے گھروں میں کام کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی پھر ایک روز ایک کروڑپتی بزنس مین جوزف اس کی ماں پر عاشق ہو گیا۔ ان کے درمیان شادی ہوئی یا نہیں یہ کسی کو نہیں معلوم لیکن بھوشن بہرحال ان کے جائز یا ناجائز تعلقات کی نشانی ہے۔ قسمت کا دھنی تھا اس لیے اس کے والدین ایک حادثے میں فوت ہو گئے اور مسٹر جوزف کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائداد بھوشن کے قبضے میں آ گئی۔ دولت ہاتھ آنے کے بعد اس نے اپنی حاضر دماغی سے دو اور دو چار کرنا شروع کر دیا پھر ایک بینک کی داغ بیل ڈالی اور چور دروازے سے رفتہ رفتہ وہ جرائم کی دنیا سے خود کو علیحدہ نہ کر سکا چنانچہ آج بھی اس کا زیادہ تر وقت اپنے جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ گزرتا ہے۔ سیاست کی آڑ میں جتنی ہڑتالیں، ہنگامے اور دہشت گردی کے واقعات جنم لیتے ہیں ان میں سے بیشتر میں بھوشن جوزف کا ہاتھ ہوتا ہے اس طرح ایک طرف وہ بڑے پیمانے پر دولت حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف بڑی مچھلیوں کو بھی اپنے جال میں پھانس لیتا ہے۔ شاید اسی لیے ابھی تک کسی نے اس پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کی۔"

"کیا پولیس کو بھی ان باتوں کا علم ہے؟"

"ضرور ہوگا مگر ابھی تک بھوشن کے خلاف کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں ملا جو اس کے خلاف قابل عمل ہوتا۔"

"تمہیں ان باتوں کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "کیا تم اس سے مل بھی چکے ہو؟"

"ایک بار ایک سرکاری دعوت میں ملاقات ہوئی تھی۔ جانتے ہو اس روز وہ کس کے ساتھ شغل کر رہا تھا۔ وزیر قانون کے ساتھ اس بے تکلفی سے گفتگو کر رہا تھا جیسے دونوں لنگوٹیا یار ہوں۔ میز پر ان دونوں کے علاوہ اعلیٰ گھروں کے دو حسین اور نوخیز چہرے بھی ان کی دل بستگی کے لیے موجود تھے۔" ندیم نے کہا۔ "رہا بھوشن کے نجی معاملات اور انڈر گراؤنڈ کارناموں کا معاملہ تو مجھے اس کا علم اس لیے ہے کہ ایک بار بھوشن کے ایک بڑے بینک آفیسر نے مجھے بھوشن کے ساتھ مل کر اس کا ہاتھ بٹانے کی پیشکش کی تھی لیکن میں نے خوبصورتی سے ٹال دیا۔"

"کیا خان جابر اسی کے لیے کام کر رہا ہے؟"

"ہو سکتا ہے اس لیے کہ میں کم از کم اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ خان جابر اغوا برائے تاوان جیسے چھوٹے موٹے کاموں میں نہیں ڈالتا۔ وہ ہمیشہ لمبے لمبے ہاتھ مارنے کا عادی ہے۔ لاکھ دو لاکھ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔"

"پھر دانش کو یرغمال کیوں بنایا گیا؟" میں نے پوچھا۔

"تمہیں ٹریپ کرنے کے لیے۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ دس لاکھ کی رقم تم سے وصول ہو جانے کے باوجود وہ دانش کو زندہ تمہارے حوالے بھی نہ کرے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"موہنی کو تمہاری دولت کی نہیں تمہاری لاش کی ضرورت ہے۔" ندیم نے وضاحت کی۔ "ہو سکتا ہے کہ دانش کو اس طرح قتل کرنے کے بعد تمہارے حوالے کیا جاتا کہ تم بذات خود اس کے قاتل بن جاتے۔"

"آئی۔ سی۔ لیکن اب تم خان جابر کا کیا کرو گے؟"

"جابر اور دانش دونوں کو انڈر گراؤنڈ رکھنا پڑے گا۔"

"اور اگر بھوشن جوزف کو حالات کا علم ہو گیا تو؟"

"کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" ندیم نے جواب دیا۔ "بھوشن نے بھی اپنے چھوٹے موٹے مہرے پٹنے کی پروا نہیں کی۔ وہ ایک بساط پلٹ کر دوسری بچھانے میں بڑی مہارت رکھتا ہے۔"

ہمارے درمیان گفتگو جاری تھی کہ ندیم نے ایک موڑ پر گاڑی روک دی پھر پشت پر بیٹھے ہوئے شخص سے بولا۔ "چلو اترو۔ تمہاری منزل آ گئی ہے۔"

اونگھتے ہوئے دبلے پتلے اور دراز قد شخص نے ایک طویل جمائی لی پھر دروازہ کھول کر نیچے اترا اور کچھ کہے سنے بغیر بڑی بے پروائی سے سڑک پار کرنے لگا۔

"کون ہے یہ؟" میں نے ندیم سے دریافت کیا۔

"ماسٹر کی (MASTER KEY)۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا پھر گاڑی ڈرائیو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ ہمارے درمیان ایک بار پھر خاموشی کا رشتہ قائم



ہو گیا جو گھر پہنچنے تک برقرار رہا۔

دوسرے روز میں دفتر پہنچا تو سب سے پہلے عارفہ نے کمرے میں داخل ہو کر مجھے ماہ رخ کے فون کی اطلاع دی۔ میں نے عارفہ کے چہرے کو بغور دیکھا۔ یہ دوسرا موقع تھا جب ماہ رخ کے کال کی اطلاع دیتے وقت اس کے چہرے کے نقوش دھندلے پڑ گئے تھے۔ مجھے عشق و محبت کا کوئی سابقہ تجربہ نہیں تھا لیکن اس وقت میں یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا کہ ماہ رخ کے نام سے عارفہ کو ایک قسم کی رقابت ہو گئی ہے مگر کیوں؟ میں نے تو کبھی اس کے ساتھ پیار و محبت کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ ایک دیانت دار اور محنت کش لڑکی تھی اس لیے میں نے اس کی دفتری کارکردگی کو ہمیشہ سراہا تھا۔ ہو سکتا ہے میرے اس انداز میں اسے محبت کی کوئی کرن نظر آ گئی ہو، لیکن فی الحال وہ محبت یک طرفہ ہی سمجھی جا سکتی تھی اس لیے کہ میرے ذہن کے کسی تاریک گوشے میں بھی عارفہ کا کبھی کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ میں کام کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا تھا اور وہ ایک ماتحت کی حیثیت سے میری عزت اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتی تھی۔ ہم میں سے کسی نے بھی دفتری ماحول کو ایک خاص حد سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ میرے چہرے کے تاثرات کو پڑھتی رہی پھر سنجیدگی سے بولی۔ "ماہ رخ صاحبہ کا حکم ہے کہ آپ جیسے ہی دفتر میں داخل ہوں آپ کی اور ان کی گفتگو کرا دی جائے۔ صبح سے اب تک دو بار فون آ چکا ہے۔"

"تشریف رکھیے مس عارفہ۔"

"شکریہ۔ سر۔" عارفہ کے لہجے میں شکوہ تھا۔ میرے سامنے کرسی پر خود کو سنبھالتی ہوئی بیٹھ گئی۔

میں نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد کہا۔ "میرا خیال ہے آپ کو بار بار ماہ رخ کا مجھے فون کرنا پسند نہیں ہے۔"

اس نے زیر خند لہجے میں جواب دیا۔ "یہ آپ کا قطعی ذاتی اور نجی معاملہ ہے۔ اس میں میری پسند اور ناپسند کو بھلا کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔"

"ماہ رخ کے بارے میں آپ کی ذاتی رائے کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ میری بات کا برا تو نہیں منائیں گے؟" اس نے تھوڑے جھجک کر دریافت کیا۔

"جی نہیں۔" میں نے اعتماد سے کہا۔ "آپ کو جو کہنا ہو شوق سے کہہ سکتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ کہیں گی اس میں میری بھلائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور شامل ہوگا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ ماہ رخ صاحبہ کا شمار اچھی خواتین میں نہیں کیا جا سکتا۔" اس نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"آپ کبھی ملی ہیں ماہ رخ سے؟"

"جی نہیں۔"

"پھر آپ نے ان کے بارے میں ایک حتمی فیصلہ کس طرح کر لیا؟"

"میں آپ کی سیکریٹری ہوں سر۔ دن بھر سیکڑوں فون کالز ریسیو کرتی ہوں اس لیے میں گفتگو کرنے والے کے انداز ہی سے اس کی شخصیت کا تھوڑا بہت اندازہ لگا لیتی ہوں۔" اس نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "میں ماہ رخ سے براہ راست نہیں ملی نہ ایسی کوئی خواہش میرے دل میں ہے لیکن اخبارات میں سلیمان شاہ اور اس کے اسکینڈل کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکی ہوں اور میرا خیال ہے کہ ہر اسکینڈل کے پیچھے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہوتی ہے۔"

"میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کروں گا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "میں ماہ رخ سے ندیم کے ساتھ پہلی بار ملا تھا اور اس پہلی ملاقات میں بہت قریب سے میں نے بھی وہی رائے قائم کی تھی جو دور بیٹھ کر آپ کی ہے۔"

"پھر وہ بار بار آپ کو فون کیوں کرتی ہے۔ میرا مطلب ہے آپ اسے ایک بار کھل کر منع کیوں نہیں کر دیتے؟"

"میں جس کاروبار سے منسلک ہوں اس میں اچھے اور برے دونوں قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔"

"لیکن۔۔۔"

"آپ پریشان نہ ہوں۔" میں نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں ماہ رخ صاحبہ سے محتاط رہنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ ویسے بائی دی وے کیا ایک سوال میں بھی آپ سے پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھیے سر۔"

"آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر دریافت کیا۔ "میرا مطلب ہے کہ اگر کوئی مالی مشکلات درپیش ہوں تو میں بخوشی انہیں دور کرنے کو تیار ہوں۔"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے سر۔"

"پھر کیا ساری زندگی تنہا رہنے کا ارادہ ہے؟"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا میں اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کے احساسات کو پڑھ رہا تھا۔ ایک ساتھ کام کرتے کرتے اسے یقیناً مجھ سے انس ہو گیا ہو، اور اب شاید انس کی جگہ محبت نے لے لی تھی۔

"کیا وہ شخص آپ کی دسترس سے باہر ہے؟" میں نے مدھم آواز میں کہا۔

"کون شخص؟" وہ یکدم چونک اٹھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

aazzamm@yahoo.com

Scanned By Ali and Azam
Aleeraza@hotmail.com
Aazzamm@Yahoo.com
(Lahore & Sahiwal)

"وہ جسے شاید آپ پسند کرتی ہیں؟"

"جی۔"

عارفہ سٹپٹا کر رہ گئی۔ حیا کی سرخی اس کے وجود پر قرمزی رنگ کی طرح پھیل گئی۔ اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن پھر جو کچھ ہوا اتنی برق رفتاری سے ہوا کہ ہم دونوں حیرت زدہ رہ گئے۔ ٹھنڈے بادلوں کی جگہ یکلخت تیز دھوپ نے لے لی تھی۔

میں نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا جو میری ہی کمپنی میں ملازم تھا۔ شاید اسی وجہ سے گارڈز نے اسے باہر دروازے پر نہیں روکا تھا۔ میری حیرت کی وجہ یہ تھی کہ اس نے میرے آفس میں داخل ہوتے ہوئے ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں سے وہ گارڈز کی نظروں میں آئے بغیر ہم دونوں پر نظر رکھ سکتا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے ایک دیسی ساخت کا پستول نکال کر اس کا رخ ہماری طرف کر لیا تھا۔ اس کے ارادے نیک نہیں نظر آرہے تھے۔

"کس مقصد سے آئے ہو؟" میں نے کسی حد تک اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"دانش کہاں ہے؟" اس نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"پولیس رپورٹ کی مطابق اسے اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"یہ سراسر جھوٹ ہے۔" وہ الفاظ کو دانتوں تلے کچلتے ہوئے بولا۔ "پہلے ماسٹر ٹونی اور اب دانش۔ یہ سب تمہاری سازش ہے۔ تم ہمارے خون اور ہڈیوں کے ڈھانچوں پر اپنا کاروباری محل تعمیر کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ پہلے کسی کو ترقی دیتے ہو اور پھر کام نکل جانے کے بعد اس کو راستے سے ہٹا دیتے ہو لیکن اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔"

"میرا خیال ہے تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔" عارفہ نے دخل اندازی کی۔

"تم اپنی چونچ بند ہی رکھو مس عارفہ ورنہ مجھے مفت میں ایک گولی تمہارے لیے بھی ضائع کرنی پڑے گی۔"

وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ میرے دفتر میں ایک بار پہلے بھی اسی قسم کا ڈرامہ اسٹیج کیا جا چکا تھا۔ وہ شخص پستول تانے کھڑا تھا اس کی آنکھوں کی وحشت اس بات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ



اس وقت کوئی نادیدہ طاغوتی قوت اس کے جسمانی نظام کو کنٹرول کر رہی ہے۔ مجھے یاد آیا۔ ایک بار کول وما نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ جب چاہے گی میرے چہرے کی ساخت کو اس حد تک بگاڑ دے گی کہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاؤں گا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال سرعت سے ابھرا۔ موہنی کی گندی طاقت کو شاید خان جابر اور دانش کے سلسلے میں علم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے میرے ہی ایک وفادار ملازم کو میرے سامنے ایک دشمن کی حیثیت سے لا کھڑا کیا تھا۔

"تمہارا نام شاید قدیر ہے۔" میں نے اسے غور سے دیکھا۔

"قدیر کے بجائے وزیر ہوتا جب بھی کوئی فرق نہ پڑتا۔"

"مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری موت۔" اس کے لہجے میں سفاکی تھی۔ آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔

"پھر انتظار کس بات کا ہے۔" میں نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "پستول تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اپنا ارمان پورا کرو۔"

"نہیں۔ اس پستول کی ایک ایک گولی تمہارے ناپاک وجود سے زیادہ قیمتی ہے اس لیے تمہیں خود اپنی موت کا اہتمام کرنا پڑے گا۔"

"وہ کس طرح۔"

"خاموشی سے اٹھو۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "پشت کی کھڑکی کے پٹ کھولو اور سر کے بل نیچے چھلانگ لگا دو۔ اگر تم مر گئے تو مجھے خوشی [illegible] لیکن [illegible] بچ جانے کی صورت میں تمہیں گولی نہیں ماروں [illegible] میرا [illegible] ہے۔"

"دشمن۔" میرے ذہن میں ایک چھناکا ہوا۔ وہ مسلمان ہو کر ہندی کا لفظ بول گیا تھا لیکن [illegible] میں یقیناً اس کے ذاتی ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ [illegible] کے ذہن کو قابو کیے ہوئے تھی شاید اس سے نادانستگی [illegible] ہو گئی تھی۔ میرے ذہن میں موہنی کا ناپاک تصور ابھر [illegible] عارفہ میری طرح سہمی سہمی سی نظر آرہی تھی۔

"جلدی کرو مائی ڈیئر شہباز خان۔" پستول تانے ہوئے شخص نے تیزی سے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"موت چونکہ میری ہو گی اس لیے مجھے اپنی موت کو قبول کرنے کے انداز کا اختیار بھی حاصل ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں رقص کرتی ہوئی سرخیوں کو بغور گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تم بے شک مجھے گولی مار دو لیکن میں کھڑکی سے چھلانگ لگانے کو تیار نہیں ہوں۔"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟"

"ہاں، اور میں بار بار اپنے فیصلوں کو بدلنے کا عادی بھی نہیں ہوں۔"

"ایک بار پھر اپنی [illegible] پر غور کر لو شہباز خان۔ میں یہاں تمہارے ساتھ تفریح کرنے کی غرض سے نہیں آیا ہوں۔"

"تم چاہو تو میں تمہیں اپنی ساری زندگی کی جمع پونجی دینے کو تیار ہوں۔" عارفہ پھر جذباتی ہو گئی۔ "لیکن باس پر گولی مت چلاؤ۔ پلیز۔"

پستول والے نے حقارت سے پوچھا۔ "بہت زیادہ خیال ہے تمہیں اپنے باس کا۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ تم بھی ماسٹر ٹونی اور دانش والے معاملے میں اپنے باس کی برابر کی شریک ہو۔"

اس کی توجہ عارفہ کی طرف تھی۔ میں نے تیزی سے اپنا ہاتھ الارم سوئچ کی جانب بڑھایا لیکن مجھے کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ کمرے میں ایک ہلکی سی "ٹھک" کی آواز ابھری اور پستول سے نکلی ہوئی گولی سنسناتی ہوئی میرے بازو کے قریب سے گزرتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی تھی۔

"نہیں مسٹر شہباز۔" اس نے عارفہ کی طرف سے پلٹ کر مجھے خونخوار نظروں سے گھورا۔ "میں اتنا آسان شکار نہیں ہوں جسے تم اپنی مرضی سے ہڑپ کر جاؤ گے۔ تمہارے لیے صرف ایک ہی راستہ ہے۔ کھڑکی سے سر کے بل نیچے کود جاؤ۔ اس کے علاوہ کوئی سودے بازی نہیں ہو سکتی۔"

میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کے تیور بتدریج خطرناک سے خطرناک تر ہوتے جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ جب تک میری انگلی میں صندلی انگوٹھی موجود ہے طاغوتی قوتیں میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتیں لیکن میں اپنے آفس میں کسی افراتفری کے بعد اخبارات کی سرخیاں بننا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

"میں اب صرف تین تک گنوں گا اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ تمہیں اپنے ارادوں کی سنجیدگی کا یقین دلانے کی خاطر تمہاری اس خوبصورت اور حسین سیکریٹری کے جسم پر دو ایک روشندان بنا دوں۔"

"تمہاری دشمنی مجھ سے ہے۔ میری سیکریٹری نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"محبت اور جنگ میں سب چلتا ہے۔" وہ سفاکی سے مسکرایا۔ "کبھی کبھی گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔"

"میں اسے تمہاری مردانگی نہیں۔ بزدلی قرار دوں گا۔" میں نے اسے للکارا۔ "ہمت ہے تو مجھے مار کر دکھاؤ۔"

"اس کی نوبت بھی ضرور آئے گی۔ ایک۔" اس نے گنتی شروع کر دی۔

"تم ماسٹر ٹونی جیسے عظیم شخص اور دانش جیسے وفادار لوگوں کے ساتھی بھی نہیں ہو سکتے۔" میں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔

"یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا نہیں۔ دو۔"

دو کی گنتی کے ساتھ ہی اس کے پستول کا رخ عارفہ کی جانب ہو گیا۔ اس کی نظریں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں اور آنکھوں میں شیطانی سرخی کا رقص جاری تھا پھر اچانک لوبان اور

aazzamm@yahoo.com

صندل کی خوشبو کا تیز جھونکا میری ناک سے ٹکرایا اس کے ساتھ ہی میرے سامنے کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ میں دبا پستول ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا۔ وہ اس طرح چونکا تھا جیسے کوئی ہولناک خواب دیکھتے دیکھتے یکلخت بیدار ہو گیا ہو۔ اس کی آنکھوں کی سرخی چھٹ چکی تھی۔

"سر۔" اس نے حیرت سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت یہاں؟ آپ کے آفس میں۔ شاید غلطی سے آ گیا؟"

"نہیں۔" میں نے پیش آنے والی تبدیلی کی وجہ بھانپتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول رہے ہو۔ تم میرے دفتر میں کچھ ایڈوانس رقم کی درخواست لے کر آئے تھے۔"

"ایڈوانس۔" اس نے بدستور بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن میں تو سائیٹ پر جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔"

عارفہ کی الجھن قابل دید تھی۔ کبھی وہ مجھے اور کبھی اس شخص کو دیکھنے لگتی جو کچھ دیر قبل ایک سفاک قاتل کا رول ادا کر رہا تھا اور اب بری طرح سہما سہما نظر آ رہا تھا۔ میں نے اپنی بات کو نبھانے کی خاطر اصرار کر کے ایک معقول رقم اس کارندے کے حوالے کرنے کے بعد رخصت کیا تو عارفہ نے حیرت سے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ سر۔"

"میرے دشمن بھیس اور روپ بدل بدل کر مجھے نقصان پہنچانے کے لیے سامنے آ رہے ہیں لیکن شاید وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ کم از کم وہ میری زندگی کا چراغ گل نہیں کر سکتے۔"

پھر فون کی گھنٹی بجی تو میں نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب ڈی۔ ایس۔ پی سراج تھا۔

"دانش کی گمشدگی کا کوئی سراغ ملا؟"

"پولیس کارروائی جاری ہے لیکن کچھ پیچیدگی درمیان میں آ گئی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ نے مسٹر بھوشن جوزف کا نام ضرور سنا ہوگا۔"

"شاید اخبار میں پڑھا ہو۔" میں نے بظاہر بے پروائی سے جواب دیا لیکن سراج کی زبان سے بھوشن جوزف کا نام سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ایک بہت بڑا بینک اونر ہونے کے ساتھ ساتھ ہائی سرکل میں بھی دور تک اس کی رسائی ہے۔"

"آپ مجھے بتانا کیا چاہتے ہیں؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے مسٹر بھوشن نے اپنے ایک خاص کارندے خان جابر کی گمشدگی کی اطلاع دی ہے۔"

"پھر اس میں تشویش کی کیا بات ہے۔ ایف آئی آر کاٹ کر تفتیش شروع کرا دیجیے۔"

"آپ نہیں جانتے لیکن میں جانتا ہوں کہ خان جابر ایک ایسے دہشت گرد کا نام ہے جسے ابھی تک قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی ہیں شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ مسٹر بھوشن جیسی شخصیتیں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔"

"کوئی نئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ہر دہشت گرد کی پشت پر کوئی نہ کوئی پوشیدہ ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ پولیس کو ایسے مجرموں کے سلسلے میں ہمیشہ ڈبل پالیسی سے کام لینا پڑتا ہے، اگر خان جابر کے خلاف کوئی مجرمانہ ثبوت پولیس فائل پر نہیں ہے تو پھر آپ کس لیے پریشان ہیں؟"

"مجھے بھی خان جابر کی تلاش تھی۔"

"خیریت؟"

"دراصل جس روز آپ کے دولت خانے کو آگ لگائی گئی اور دانش کا اغوا ہوا تھا اس روز میرے ایک کانسٹیبل نے خان جابر کو وہاں دیکھا تھا۔"

"کیا مطلب۔" میں نے چونکنے کی بھرپور اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا دانش کے اغوا اور میرے مکان کو نذر آتش کرنے میں اسی خان جابر کا ہاتھ ہے۔"

"ابھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا لیکن مسٹر بھوشن کے درمیان میں آ جانے کے بعد سے میرے اس شبے کو زیادہ تقویت ملتی ہے کہ دونوں وارداتوں میں کسی نہ کسی زاویے سے خان جابر کا ہاتھ ضرور شامل ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسٹر بھوشن نے کاؤنٹر چارج بنانے کی خاطر ہی قبل از وقت اس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہو۔" سراج نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر بولا۔ "میں خان جابر کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"میں دفتر ہی میں ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا پھر گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

☆

بھوشن جوزف اور خان جابر کے بارے میں ندیم نے مجھے خاصی تفصیل سے آگاہ کیا تھا لیکن سراج سے ملاقات کے بعد ایک بات کھٹکی ہوئی تھی کہ پانڈے نے موہنی کے مجبور کرنے کے بعد فون پر میرے خلاف جس دہشت گرد سے گفتگو کی تھی اس کا تعلق بھوشن کی ذات سے ضرور منسلک رہا ہوگا۔ میرے مکان کو نذر آتش کرنے کے سلسلے میں بھی کسی نہ کسی زاویے سے اسی کا ہاتھ شامل رہا ہوگا۔ رہا دانش کا معاملہ تو میرے لیے سراج سے گفتگو کرنے کے بعد دو اور دو چار کرنے میں کوئی دشواری نہیں تھی۔

ندیم اور سراج کی خاطر دانش نے بھی آگ لگنے کی اطلاع پا کر میری رہائش گاہ کا رخ کیا ہوگا جہاں خان جابر یا اور کسی مشکوک آدمی کو دیکھ کر اس کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔ اپنے شبے کی تصدیق میں دانش نے اس کا تعاقب کیا ہوگا لیکن شاید وہ اس بات کو یکسر نظر انداز کر گیا تھا کہ دہشت گردی پھیلانے والا کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی ضرور ہوتے ہیں جو اسے کسی خطرے میں دیکھ کر یا تو خود اسے ہلاک کر دیتے ہیں یا پھر اس کی مدد کرنے کی خاطر ہنگامے میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

دانش کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی صورتحال پیش آئی ہوگی۔ جس وقت اس نے مشکوک افراد کا پیچھا شروع کیا اس وقت وہ یہ محسوس نہ کر سکا کہ دہشت گرد کے ساتھی اس کے تعاقب میں بھی لگ گئے تھے۔ وہ شخص جس پر دانش کو شبہ ہوا ہوگا وہ یقیناً کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں رہا ہوگا پھر مشکوک آدمی کا اتا پتا معلوم کرنے کے بعد دانش نے مجھے خطرے سے آگاہ کرنا چاہا لیکن جو لوگ اس کے تعاقب میں تھے انہوں نے اسے اس بات کا موقع نہیں دیا۔

میرے ذہن میں اس سازش کا جو خاکہ ابھرا اس میں صرف ایک جھول باقی رہ گیا تھا۔ دانش نے اپنی موٹر سائیکل کیوں استعمال نہیں کی؟ اسے چھوڑ دینے میں کیا مصلحت درپیش تھی؟ ان دونوں سوال کا جواب دانش ہی دے سکتا تھا۔ وہی اس شخص کا نام اور حلیہ بھی بتا سکتا تھا جسے مشکوک سمجھ کر اس نے تعاقب کا سلسلہ شروع کیا تھا۔

ندیم کے کیسینو پر جو صورتحال پیش آئی تھی اس نے مجھے اتنا موقع نہیں دیا کہ میں دانش سے کوئی تفصیل دریافت کر سکتا لیکن ندیم نے یقیناً دانش کو اس سلسلے میں ضرور کریدا ہوگا۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے ندیم کو گھر پر اس کی خوابگاہ کے نمبروں پر ڈائل کیا۔ چوتھی گھنٹی پر دوسری جانب سے ندیم نے کال ریسیو کی۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"جلدی کرو اس لیے کہ میں نہاتے میں سے تولیہ لپیٹ کر غسل خانے سے باہر آیا ہوں۔"

"دانش نے تمہیں کن حالات سے باخبر کیا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ خان جابر کے ہاتھ کس طرح لگا؟" میں نے دریافت کیا۔ "کیا وہ خان جابر ہی تھا دانش نے جس کا تعاقب کیا لیکن اس کی نگاہوں میں آ گیا یا پھر اس کا مطلوبہ شخص کوئی اور تھا؟"

"اچانک تمہیں ان باتوں کا خیال کس طرح آ گیا؟" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"ابھی کچھ پہلے سراج یہاں سے اٹھ کر گیا ہے۔ اس کی اطلاع کے مطابق بھوشن جوزف نے براہ راست اسے فون کر کے خان جابر کی گمشدگی کی رپورٹ کرائی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ خان جابر کو جلد از جلد بازیاب کیا جائے۔"

"مگر میں تمہارے ان سراج صاحب کو ایک نمبر کا گھامڑ کہوں تو برا تو نہیں مانو گے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"کیا سراج صاحب نے بھوشن سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں محسوس کی اسے اتنی جلدی خان جابر کی گمشدگی کا یقین کس طرح آ گیا؟" ندیم نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "بہرحال، میرا شبہ ٹھیک ہی نکلا کہ خان جابر کی پشت پر مسٹر بھوشن ہی کا ہاتھ کارفرما ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خان جابر کی گمشدگی نے بھوشن کو بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہوگا۔"

"دانش نے تمہیں کیا تفصیل بتائی ہے؟" میں نے اپنا سوال دہرایا۔

"میرا خیال ہے کہ فون پر اس کی تفصیل بتانا مناسب نہ ہوگا۔"

"جو کچھ میں معلوم کرنے جا رہا ہوں وہ بہت ضروری ہے۔"

ندیم نے میرے اندر کے جذبات کو شاید میرے لہجے سے محسوس کر لیا تھا۔ تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "میری ایک بات غور سے سنو، تم کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔ مجھ سے مشورہ کیے بغیر جلد بازی میں اٹھایا ہوا قدم ہمارا سارا کھیل بگاڑ دے گا اگر دشمن نے ہماری چال کو بھانپ لیا تو بساط کا رخ ہمارے حق میں کسی طرح سودمند ثابت نہیں ہوگا۔"

"لیکن......"

"میں تمہارا دوست ہوں شہباز، دشمن نہیں ہوں۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔ "فی الحال میں تمہیں ایک ہی قیمتی مشورہ دے سکتا ہوں۔ شام کو دفتر سے واپسی کے وقت ماہ رخ سے ضرور ملنے کی کوشش کروں گا۔ باقی باتیں تمہاری واپسی پر ہوں گی۔"

اس کے ساتھ ہی ندیم نے فون کریڈل پر واپس رکھ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ماہ رخ سے ملنے کا مشورہ اس نے کچھ سوچ کر ہی دیا ہوگا۔ وہ میرا دوست تھا۔ اب تک میری خاطر بے شمار موقعوں پر اپنی زندگی داؤ پر لگا چکا تھا۔ خان جابر اور دانش کی بازیابی میں بھی اسی کی بروقت، ذہانت اور کوششوں کا نتیجہ تھا ورنہ شاید میں ابھی تک دانش کا کوئی سراغ نہ پا سکتا۔ خان جابر بھی چونکہ ندیم ہی کے راستے کا ایک مسافر تھا اس لیے ندیم نے فون پر اس کی آواز پہچاننے میں کسی غلطی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ان دونوں میں صرف ایک واضح فرق تھا۔ ندیم ایک باوقار کاروباری شخصیت کا مالک تھا اور اسی وقت کوئی جوابی کارروائی کرتا تھا جب اسے کسی کی جانب سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ اس نے جو کارندے پال رکھے تھے وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں تمام تر ضروری، اچھی اور بری صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بظاہر وہ بھی شریف نظر آتے تھے لیکن ندیم کے اشارے پر وہ بروقت خود کو دہکتے شعلوں میں بھی جھونکنے پر آمادہ رہتے تھے جبکہ خان جابر

aazzamm@yahoo.com

کی زندگی کا بس ایک ہی رخ تھا۔ وہ ایک خطرناک قسم کا دہشت گرد تھا جو اپنی منہ مانگی رقم کے عوض کچھ بھی کر گزرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ندیم کی اطلاع کے مطابق وہ کسی کا پابند نہیں تھا لیکن جس کے لیے کام کرنے کی حامی بھر لیتا تھا اس سے بھی غداری نہیں کرتا تھا۔ وہ بکاؤ مال تھا لیکن ایک شخص سے معاہدہ کر لینے کے بعد مخالف پارٹی سے کسی قیمت پر بھی ملنا اس کے اصول کے خلاف تھا۔

خان جابر بدنام ترین شخصیت کا مالک ہونے کے باوجود ابھی تک کھلی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ سراج کے کہنے کے مطابق تمام بڑی دہشت گردی کی وارداتوں میں اس کا ہاتھ شامل تھا لیکن ابھی تک اس کی خلاف کوئی ثبوت پولیس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ شاید اس لیے کہ بھوش اور اسی جیسے بڑے سیاسی اور کاروباری افراد اس کی پشت پناہی کرتے تھے اور اس کا نام پولیس کے ریکارڈ پر آنے سے پہلے ہی اس کے حق میں پولیس کے اعلیٰ حکام کو سفارشی اور تحکمانہ فون کھڑکھڑانا شروع کر دیتے تھے جس کے سامنے قانون بے بس ہو کر گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

ماہ رخ کا جھکاؤ میں اپنی طرف پہلی ہی ملاقات میں محسوس کر چکا تھا۔ وہ ایک خوبصورت "شکاری" تھی جو اپنا شکار پھانسنے کی تمام صلاحیتوں سے لیس تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ دوسرے شکاریوں کی طرح درندوں اور پرندوں کا شکار کھیلنے کے بجائے اپنے "من پسند" انسانوں کا شکار بڑی کامیابی سے کرنے کی عادی تھی۔

میں نے زندگی میں شراب کبھی نہیں پی لیکن پولیس کی ملازمت کے دوران اور ندیم کے ساتھ لندن میں شراب خانوں میں بارہا جانے کا اتفاق ہو چکا تھا۔ انسان اگر اپنے نفس پر قابو پانے کا عادی ہو تو وہ تمام برائیوں کے بیچ رہنے کے باوجود اپنا شمار نیکوکاروں کی فہرست میں برقرار رکھ سکتا ہے مگر تصویر کی طرح انسان کی زندگی کے بھی دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک روشن اور دوسرا تاریک۔ شیطان کا کام صرف بہکانا ہے ویسے بھی کبھی انسان فاقوں سے تنگ آ کر مردہ جانوروں کا گوشت کھانے پر بھی مجبور ہو جاتا ہے۔

میں نے ندیم کی ایما پر نہ چاہنے کے باوجود ڈائرکٹ فون کا ریسیور اٹھایا اور ماہ رخ کے نمبر گھمانے لگا لیکن نہ جانے کیوں میری الٹی آنکھ نے رہ رہ کر پھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ میری چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ کہیں نہ کہیں کوئی خطرہ ضرور لاحق ہے۔

اسلام کے نامور مجاہدین — قمر تسکین — 50/-
اسلام کی نامور خواتین — قمر تسکین — 40/-
سو مسلمان مشاہیر — قمر تسکین — 75/-
ملک ملک کی عورتیں — قمر تسکین — 35/-

مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2

دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے یقیناً مجھے شناخت کر لیا تھا جس کی غمازی اس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی معنی خیز مسکراہٹ نے کی تھی۔

"آپ۔۔۔ آپ شاید ایک بار مسز ندیم کے ساتھ آ چکے ہیں؟" گارڈ نے سنجیدگی سے سوال کیا اس کے انداز میں احترام شامل تھا۔

"تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔"

"آپ کا نام؟"

"شہباز خان۔" میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کیا۔ "فون پر میں مسز سلیمان شاہ سے اپوائنٹمنٹ لے چکا ہوں۔"

گارڈ نے اپنے دوسرے ساتھی کی سمت اشارہ کیا تو کوٹھی کا پھاٹک میرے لیے کھول دیا گیا۔ اندر دو چار گاڑیاں پہلے سے

اس منظر کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا' اس تصویر کے پس منظر سے سلیمان شاہ اور ماہ رخ دونوں ہی کی شخصیت جھلکتی نظر آ رہی تھی ابھی میں اس تصویر کو دیکھنے میں منہمک تھا کہ وہی شخص دوبارہ نمودار ہوا۔

"تشریف لائیے محترم' میڈم نے آپ کو یاد کیا ہے۔"

میں جلدی سے اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا وہ مجھے ایک مرصع دروازے کے سامنے چھوڑ کر لمبے لمبے قدم اٹھاتا تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ غالباً" دروازہ ہی میری مطلوبہ منزل تھی لیکن بغیر اجازت کسی کے کمرے میں داخل ہونا بڑا معیوب سمجھا جاتا ہے اس لیے میں نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"تشریف لے آئیں اندر مسٹر شہباز۔" دروازے کے قریب لگے ہوئے کسی خفیہ مائک سے ماہ رخ کی آواز سنائی دی کسی خفیہ جگہ پر نصب شدہ کیمرے کی حساس آنکھوں نے غالباً" دروازے کے باہر میری موجودگی ظاہر کر دی تھی میں نے ایک سرسری نظر دروازے کے اطراف ڈالی پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے ششدر رہ گیا۔ مجھے ایسا لگا تھا جیسے میں کسی پرستان میں آ گیا ہوں جہاں خس کی بھینی بھینی خوشبو ماحول کو بے حد خوابناک بنا رہی تھی کمرے کی ہر شے اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ یہ خوابگاہ کے علاوہ ایک مختصر مگر بے انتہائی حسین ڈرائنگ روم بھی تھا۔ کمرے کے دو حصوں میں بس ایک سیڑھی حد فاصل تھی جس کے اوپر ریشم کے ساتھ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلکے نیلے رنگ کا باریک پردہ پڑا تھا۔ پردے کے ایک حصے کو ڈرائنگ روم کی شکل دے دی گئی تھی اور دوسرا حصہ جو پہلے حصے سے ایک سیڑھی اونچا تھا بطور خوابگاہ استعمال کیا جاتا تھا۔ میں ابھی ماحول کی دلکشی میں محو تھا کہ ماہ رخ کی مترنم آواز مندروں میں دیوداسیوں کی بجائی ہوئی گھنٹی کی طرح گونجی۔

"اس قدر غور سے اسے دیکھنے والے یہ بتا۔ مجھ میں کیا بات نہیں جو میرے ماحول میں ہے۔"

میں نے نظریں گھما کر آواز کی سمت دیکھا تو ماہ رخ ایک صوفے پر نیم دراز تھی' اس کے جسم پر صرف ایک باریک لباس موجود تھا جو ہونے اور نہ ہونے کے فرق کو سمجھانے میں میری طرح ناکام ہو رہا تھا۔ ماہ رخ یقیناً ایک ایسی خوبصورت شکاری تھی جو اپنے شکار کو اپنے سحر میں بے بس کر دینے کی پوری صلاحیت رکھتی تھی اس وقت بھی کچھ ایسے انداز اور زاویے سے نیم دراز تھی کہ اس کے سڈول جسم کے تمام نشیب و فراز بڑے واضح تھے۔ میں آگے بڑھ کر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں نے آپ کو اس وقت ڈسٹرب تو نہیں کیا؟" میں نے بس یونہی گفتگو کا آغاز کرنے کی خاطر ایک رسمی جملہ ادا کیا۔

"جی نہیں۔" وہ مجھے مسکراتی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ "مجھے خوشی ہے کہ آج آپ نے خود سے آنے کی زحمت گوارا کی جبکہ میں آپ کو متعدد بار فون کر چکی ہوں۔"

"مجھے اس کا علم ہے دراصل کاروباری مصروفیات کی وجہ سے۔"

"رہنے دیں شہباز صاحب۔" وہ ایک تو بہ شکن انگڑائی لیتی ہوئی اٹھی۔ "نہ آنے کے سو بہانے۔"

"آئندہ اس بات کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

"تیرے وعدے پہ جیے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا۔ کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا۔" ماہ رخ نے ایک سرد آہ بھر کر غالب کا ایک خوبصورت شعر پڑھا پھر بڑی بے تکلفی سے بولی۔ "یہ آج اتنی دور کیوں بیٹھے ہیں۔ کیا فاصلے آپ کو بہت زیادہ پسند ہیں؟"

"قرب نصیب نہ ہو تو انسان کو فاصلوں پر ہی گزارا کرنا پڑتا ہے۔" میں نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا پھر اٹھ کر اس کے قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ پئیں گے؟" اس نے مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"ایک شے کے علاوہ جو چاہے پلا دیں میں انکار نہیں کروں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کا اشارہ شراب کی طرف ہے لیکن اگر یہی شے میں آپ کو آنکھوں سے پلا دوں تو۔"

ماہ رخ نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ ایسے سحر انگیز انداز میں کہا کہ میں بچ بچ لڑکھڑا گیا' میں نے اسے غور سے دیکھا' وہ یقیناً شراب سے زیادہ قاتل تھی اس کی آنکھوں میں نہ جانے کتنے جام آپس میں ٹکرا رہے تھے' وہ سرے پاؤں تک صرف شراب ہی شراب نظر آ رہی تھی لیکن نہ جانے کیوں مجھے ان حسین آنکھوں میں جھانکنے کے بعد یہ احساس ہوا کہ چھلکتا ہوا جام ختم ہو چکا تھا لیکن اس کی تلچھٹ باقی تھی۔ نشہ ٹوٹ چکا تھا مگر اس کا خمار ابھی تک برقرار تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ کیا میں نے وہاں پہنچنے میں دیر کر دی تھی یا پھر ماہ رخ نے جان بوجھ کر مجھے دیر سے بلایا تھا اور اس عرصے میں وہ کوئی اور قلعہ فتح کر کے اپنی فتوحات میں ایک نئے باب کا اضافہ کر چکی تھی۔

میں اس وقت ندیم کی ایما پر وہاں موجود تھا بظاہر مجھے براہ راست ماہ رخ سے کوئی کام نہیں تھا لیکن بہرحال میں ایک انسان تھا اور انسان رقابت کے جذبوں کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔ ایک لمحے کے لیے میرے اندر بھی ایک نئے انسان نے جنم لیا جو اس بات کو محسوس کر کے تڑپ اٹھا کہ اس کی محبوبہ کسی دوسرے کے ہاتھوں کی زینت بن چکی ہو' مرد کی غیرت اس بات کو کبھی گوارا نہیں کرتی کہ محبت کے معاملے میں کوئی اور اس کا شریک ہو رومانی داستانوں میں جابجا ایسے واقعات درج ہیں جب ایک شخص نے رقابت کی وجہ سے دوسرے کا قتل کیا اور خود پھانسی کے پھندے پر چڑھ گیا میں ماہ رخ کی آنکھوں کے سحر میں ڈوب رہا تھا جس کی کوئی تھاہ نہیں تھی۔ میری مثال اس طوطے کی سی تھی جسے کسی خوبصورت شہزادی نے اپنے محل میں ایک پنجرے میں بند کر کے ٹانگ رکھا تھا اور شہزادی جب بھی پنجرے کے قریب آتی طوطا اسے دیکھتے ہی چہکنے لگتا اس وقت کم و بیش میری بھی کچھ ایسی ہی حالت تھی' ماہ رخ کا حسن میرے وجود کا احاطہ کر رہا تھا پھر یکلخت مجھے اپنی سانس گھٹتی ہوئی محسوس ہوئی' کسی نے مجھے آواز دے کر کہا۔

"سنو شہباز خان' ہوش میں آؤ' تم اس راہ کے مسافر نہیں

aazzamm@yahoo.com

ہو' اس سمندر کے قریب سے ہٹ جاؤ اگر کوئی تیز لہر آئی تو تمہیں بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لے جائے گی مانا کہ تمہارے اندر ایک ماہر پیراک کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں لیکن سمندر کی بپھری موجیں جب زور پکڑتی ہیں تو بڑے بڑے جہاز بھی ان کے آگے کسی حقیر تنکے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے اور...... کبھی کبھی صرف ساحل پر کھڑے ہو کر نظارہ کرنے والے بھی اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پاتے پاؤں ایک بار ہٹ جائے تو سنبھالے نہیں سنبھلتا ابھی وقت ہے' واپس پلٹ آؤ ورنہ بعد میں پچھتاوے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

میں نے خود کو سنبھالا' ماہ رخ کی سحر انگیز نگاہوں کے ترکش کے تمام تیر میری سمت تھے' میں زخمی نہیں ہونا چاہتا تھا اس لیے میں نے ایک ثانیے کو اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کی پھر مسکراتا ہوا بولا۔

"آپ کی شخصیت بہت خوب ہے۔"

"اس عزت کے لیے بہت بہت شکریہ" اس نے پلکیں جھپکائیں تو بجلیاں کوندا اٹھیں۔

"آپ نے یہ نہیں دریافت کیا میں اس وقت کس غرض سے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

"بے غرض انسان تو دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔" وہ معنی خیز انداز میں مجھ سے کچھ اور قریب ہوتے ہوئے بولی۔ "جب بھی کوئی ایک فریق کسی دوسرے سے ملتا ہے اس کی کوئی نہ کوئی غرض دوسرے کی ذات سے ضرور وابستہ ہوتی ہے۔ یونہی تو وہ ایک دوسرے کے قریب نہیں آتے۔"

ماہ رخ کے آخری جملے میں کھلی بے باکی تھی' میری جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر جان کی بازی لگا رہتا لیکن میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کی۔

میں وہاں کیوں گیا تھا مجھے خود بھی اس کا مقصد نہیں معلوم تھا لیکن ماہ رخ کے قرب نے مجھے بالغ بنا دیا۔ ماہ رخ سے میری ملاقات کے پس پردہ ندیم چھپا اس کی سیاسی شخصیت کو بھوشن جوزف جیسے خطرناک آدمی کے خلاف بطور ایک حربہ استعمال کرنا چاہتا ہوگا وہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) سلیمان شاہ کی بیوی تھی۔ اسے شوہر کی جانب سے مکمل آزادی اور چھوٹ ملی ہوئی تھی ندیم نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ یہی انڈر اسٹینڈنگ تھی جس کی بدولت سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان ان بن نہیں ہوئی تھی ان کے درمیان ایک خاموش سمجھوتا تھا ایک دوسرے کے نجی معاملات میں حائل نہ ہونے کا سمجھوتا اسی سمجھوتے نے ابھی تک ان دونوں کے درمیان کوئی خلیج یا دراڑ نہیں حائل ہونے دی تھی۔

مجھے ان باتوں سے کوئی سروکار بھی نہیں تھا کہ سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان کیا انڈر اسٹینڈنگ تھی' تھی بھی یا نہیں تھی' میں تو اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ماہ رخ کو شنل کر بھوشن جوزف کے بارے میں دریافت کروں یا نہ کروں' وہ کسی ماہر شکاری کی طرح مجھے ٹکٹکی باندھے گھور رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے آپ؟" اس نے بڑے مخمور لہجے میں مجھے مخاطب کیا۔ "کیا دل کا مدعا زبان تک لانے میں کوئی پس و پیش محسوس کر رہے ہیں؟"

"جی نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے کہہ ڈالئے نا۔"

"ہم.... میں دراصل آپ سے کچھ دریافت کرنے آیا تھا؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ ایک فریق جب دوسرے سے ملتا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے۔" وہ مسکرائی۔ "آپ اپنی غرض کے تحت یہاں آنا چاہا اور میں نے.... میں نے اپنی غرض کی خاطر آپ کے لیے اپنی بانہیں کشادہ کردیں۔"

"آپ.... آپ کو بھلا مجھ سے کیا غرض ہو سکتی ہے؟"

"وہی جو پیاسے اور کنویں کے درمیان ہوتی ہے۔" اس نے میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر مدہوش ہو جانے والا انداز اختیار کیا پھر بڑی اپنائیت سے بولی۔ "چلئے میں اپنی غرض آج کے لیے ملتوی کرتی ہوں' آپ بتائیے آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"آپ نے کبھی بھوشن جوزف کا نام سنا ہے؟" میں نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"سنا تو ہے لیکن اس کی ریپوٹیشن شاید اچھی نہیں ہے۔" اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً کوئی بیکار ہے۔"

"جی ہاں.... میرا اشارہ اسی طرف تھا۔"

"کام کیا ہے؟" ماہ رخ نے بے پروائی سے دریافت کیا اس کی بھوکی نظریں میرے پورے وجود پر اس طرح سرسراتی تھیں۔ جیسے آدم خور گدھ کو اپنے کسی شکار کا موت سے ہمکنار ہونے کا انتظار بڑی شدت سے ہوتا ہے' جب تک اسے کامیابی کا یقین نہیں ہو جاتا وہ امید و بیم کی حالت میں پر پھیلائے ہوا میں منڈلاتا رہتا ہے' اس کی نگاہیں صرف اور صرف اپنے شکار پر مرکوز ہوتی ہیں' ماہ رخ کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

"دراصل بھوشن میرے کچھ نجی کاروباری معاملات میں بلاوجہ ٹانگ پھنسا رہا ہے۔" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔ "میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ میرے مکان کو بھی اسی کے اشارے پر نذر آتش کیا گیا تھا۔"

"او۔ آئی۔ سی۔" اس نے ایک سگریٹ سلگا کر دو چار طویل کش لیے پھر دھوئیں کے مرغولے بنا کر ہوا میں میری جانب چھوڑتے ہوئے بولی۔ "آپ اشارہ کریں تو میں اس کی وہ ٹانگ ہی نہ سلامت رہنے دوں گی جو آپ کے راستے میں حائل ہو رہی ہے۔"

"میں آپ کا پیشگی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کے جواب نے میرے اندر ایک نیا حوصلہ پیدا کردیا ہے۔"



"آپ نے اپنے آنے کی غرض بتا دی۔ اب یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ اس کام کو انجام تک پہنچانے کی خاطر میں آپ سے کیا معاوضہ طلب کروں گی؟" اس کی نگاہوں میں سرخ ڈورے ابھر کر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہونے لگے' میرا سوال سن لینے کے بعد اس کے جواب میں بھوک کی شدت کچھ زیادہ ہی نمایاں ہوگئی تھی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاید میں اس حسین پنجرے کی تیلیاں توڑ کر کب کا فرار اختیار کر چکا ہوتا لیکن حالات اور وقت نے میرے قدم روک رکھے تھے۔

میں دل ہی دل میں ندیم کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا' اس نے بھوشن کے پھوڑے کو چیرا لگانے کی خاطر جس نشتر کا انتخاب کیا تھا وہ نہایت موثر ثابت ہو سکتا تھا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے؟" اس نے میرے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ معنی خیز انداز میں بڑھا دیا۔ "کیا آپ معاوضہ ادا کرنے کو آمادہ نہیں ہیں؟"

"آپ حکم دیں' میں پوری بلینک چیک بک دستخط کر کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا میرے پاس دولت کی کمی ہوگی؟"

"جی نہیں لیکن معاوضہ والی بات......"

"میں نے ہی کی تھی۔" وہ بڑے دلربانہ انداز میں اٹھی اور بھرپور انگڑائی لیتی ہوئی میرے صوفے پر میرے اتنے قریب آبیٹھی کہ میرے پورے جسم پر چیونٹیوں نے رینگنا شروع کردیا۔ میں اس کے وجود کی گرمی اور حدت کو بخوبی محسوس کر سکتا تھا' میں نے اسے جگہ دینے کی خاطر کھسکنے کی کوشش کی تو اس نے بڑی بے تکلفی سے میرے بازو تھام لیے پھر ایک ادا سے بولی۔ "جانتے ہیں کسی حسین عورت کی خاطر کسی دانشور نے کیا کہا ہے عورت کی مثال اس سود خور کی مانند ہے جو اپنے متاع حسن لٹانے میں بڑی دریا دلی کا ثبوت دیتی ہے لیکن اس کا خراج بھی مع سود قسط وار وصول کیا جاتا ہے۔"

"کیا اس معاوضہ میں کسی کمی کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی؟" میں نے سودمندی کا مظاہرہ کیا تو وہ اور بے باک ہوگئی' ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"آپ اصرار کریں گے تو میں سود معاف کردوں گی لیکن اصل ضرور وصول کروں گی۔ کیا خیال ہے؟"

"اور اگر میرے پاس اصل دینے کو بھی کچھ موجود نہ ہوتو۔"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ میرے اور قریب ہوگئی۔ "اس کا اندازہ میں لگالوں گی۔"

میرے لیے فرار کے تمام راستے آہستہ آہستہ مسدود ہوتے جا رہے تھے مجھے اس کا وجود اپنے اندر کی برف کو پگھلاتا محسوس ہو رہا تھا۔ میں انسان تھا' پتھر کی کوئی بے جان مورت نہیں کہ اس پر ضرب لگے اور کوئی اثر نہ ہو۔ میرے نفس کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ مجھے اپنا دم سینے کے اندر گھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا جب مجھے ناداری کا احساس ہو رہا تھا۔ مجھے ماہ رخ سے نفرت ہو رہی تھی لیکن اس کا قرب میرے لیے لذت انگیز بھی تھا' وہ کسی فاتح جنرل کی طرح پیش قدمی کر رہی تھی اور میں اس کے سامنے پسپا ہو رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ شاید قدرت نے مجھے سنبھلنے کی خاطر ایک موقع دیا تھا' میں جلدی سے ماہ رخ سے دور ہو گیا وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح فون کی جانب لپکی۔ "کون ہے؟" اس نے جھلا کر ریسیور اٹھایا۔ اس کے انداز میں برہمی کی شدت موجود تھی ایک لمحے تک وہ دوسری جانب سے کی جانے والی بات سنتی رہی اس کے چہرے کی تناؤ میں بتدریج کمی آرہی تھی پھر اس نے بڑی بے رخی سے کہا۔ "ٹھیک ہے تم اس سے باتیں کرو' میں دس منٹ میں چینج کر کے آتی ہوں۔"

ریسیور کریڈل پر غصے سے رکھنے کے بعد وہ میری جانب واپس آئی پھر بڑی معذرت سے بولی۔ "مجھے ایک ضروری کام ہے اس لیے میں آپ سے معافی کی خواستگار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ "میں پھر کسی وقت حاضر ہو جاؤں گا۔"

"آپ نے یہ دریافت نہیں کیا کہ وہ کون سا کام ہے جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو سکتا ہے؟"

"کس کا فون تھا۔" میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"سلیمان شاہ کا" وہ بڑی نخوت سے بولی "اس کے کچھ اہم مہمان آگئے ہیں۔"

مجھے رخصت کرنے کے لیے وہ دروازے تک آئی پھر بڑی تشنہ آواز میں بولی۔ "آپ اپنے کام کی فکر نہ کریں لیکن میرا معاوضہ اپنی جگہ برقرار رہے گا۔"

میں نے مسکرا کر اس کے وجود پر الوداعی نظر ڈالی پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتا باہر آگیا' کھلی فضا میں آکر مجھے ایسا ہی لگا جیسے عمر قید کی سزا سنانے کے بعد عدالت نے میری بے بسی پر ترس کھا کر مجھے رہائی کا پروانہ عطا کردیا ہو۔

میں اسی رات ندیم کے کیسینو پہنچا تو وہ اپنے دفتر ہی میں موجود تھا' مجھے دیکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت اور معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی مجھے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "کہو شاہ' آج وقت کیسا گزرا؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ موت کے منہ سے بال بال بچ کر نکلا ہوں۔" میں نے ندیم کے سوال کا مفہوم بھانپتے ہوئے جواب دیا۔

"میرا خیال اس کے برعکس ہے۔"

aazzamm@yahoo.com

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے ماہ رخ کا فون آیا تھا۔" عدیم نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "اسے تمہارے بچ نکلنے کا افسوس ہے لیکن حالات نے اسے مجبور کر دیا تھا۔"

"مجبوری اور تمہاری ماہ رخ۔۔۔ یہ بات میرے حلق سے نیچے نہیں اتری۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تم بھی ٹھیک سوچ رہے ہو۔ لیکن ہر شخص کی زندگی میں کچھ نہ کچھ مجبوریاں ضرور لاحق ہوتی ہیں۔" عدیم نے جواب دیا۔ "دراصل سلیمان شاہ اور ماہ رخ کے درمیان ایک سمجھوتا ہے اور اسی سمجھوتے کی بنیاد پر ان کی گاڑی چل رہی ہے ورنہ اب تک ماہ رخ کہیں اور ہوتی۔"

"لعنت بھیجو ماہ رخ پر۔" میں نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "دانش کہاں ہے؟"

"میں اسے بلاتا ہوں لیکن تم اسے زیادہ کریدنے کی حماقت نہیں کرو گے۔" عدیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا دانش نے ایسی کوئی بات تم سے کی ہے جسے وہ دہرانا پسند نہیں کرے گا۔"

"نہیں۔۔۔ لیکن یہ مت بھولو کہ ہمارا مقابلہ مافوقی قوتوں سے ہے جو ہر وقت کسی نہ کسی موقع کی تلاش میں رہتی ہیں۔" عدیم نے کہا "موہنی یا کوئل وما کی روح دانش کو ہمارے خلاف بھی بیان دینے پر اکسا سکتی ہے' اسی غرض سے میں نے ابھی تک خان جابر اور دانش دونوں کو اپنی تحویل میں لے رکھا ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔ "کیا تمہاری تحویل میں ہونے کی صورت میں موہنی ان دونوں کی آزادی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی؟"

"ہر طاقت ور اپنے برابر والے پر حملہ کرنے سے پیشتر بہت کچھ سوچتا ہے اور زیادہ تر گریز ہی سے کام لیتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ گویا تم خود کو موہنی کے ٹکر کا سمجھ بیٹھے ہو۔۔۔ یہ غلط فہمی کب سے لاحق ہو گئی؟"

عدیم میرے جواب میں مسکرا دیا لیکن اس کی مسکراہٹ کے اندر بڑا اعتماد تھا' یقین تھا پھر اس نے دانش کو بلوانے کی خاطر اپنے کسی مخصوص نوکر کو انٹرکام پر ہدایت دی اور ایک سگریٹ جلا کر اس کے کش لینے لگا۔ میں عدیم کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا' وہ میرا کلاس فیلو تھا میرا دوست تھا' میری خاطر کئی بار زندگی داؤ پر لگا چکا تھا لیکن اس کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی قوت ضرور موجود تھی جس کی وجہ سے ابھی تک میرے خلاف برسرپیکار قوتوں نے اس سے براہ راست ٹکرانے کی کوشش نہیں کی تھی کوئل وما کے گھر کو عدیم ہی کے ایک مخصوص عمل پر جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا گیا تھا' موہنی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ جانتی ہے کہ اس دہشت گردی کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا لیکن اس نے عدیم کے بجائے مجھ ہی کو موردالزام ٹھہرایا تھا۔

میرے دشمنوں نے میرے مکان کو محض نذر آتش نہیں کیا تھا وہ میری ماں کو زندہ جلا دینا چاہتے تھے لیکن کاکا کے بیان کے مطابق اس نے میری ماں کو بچا لیا تھا اور اب وہ عدیم کے گھر پر محفوظ تھیں گویا عدیم کا گھر ایک ایسا مضبوط قلعہ تھا جہاں گندی اور پلید قوتوں کا عمل دخل نہیں ہو سکتا تھا۔ نسیم کی ماں کو بھی ان ہی مافوقی قوتوں نے موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن نسیم ابھی تک محفوظ تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ عدیم کی پناہ میں تھی لیکن کیوں؟ آخر وہ کون سی قوت تھی جو ہر ہر قدم پر عدیم کی پشت پناہی کر رہی تھی میرے ذہن میں بے شمار سوالات گونج رہے تھے لیکن اس سے پیشتر کہ میں عدیم کی زندگی کے اس دوسرے پراسرار رخ کو کریدتا دانش کمرے میں داخل ہوا اور میری توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی۔

دانش کو دیکھ کر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا' اس کی حالت ابھی تک غیر تھی چہرہ بری طرح سوج رہا تھا اور جا بجا نیل پڑے ہوئے تھے' وہ اپنی ٹانگ پر ٹھیک سے چلنے سے بھی قاصر نظر آ رہا تھا شاید اس کی بازیابی سے پہلے خان جابر نے اسے بری طرح اپنے تشدد کا نشانہ بنایا تھا اور یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا تھا' دانش نے میری خاطر میرے دشمنوں کا تعاقب کیا تھا اور اب اس کی اذیتیں بھی وہ تنہا بھگت رہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ آپ تو خیریت سے ہیں نا۔" عدیم کے اشارے پر دانش نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے بڑے خلوص سے مخاطب کیا "آپ کی والدہ اب کیسی ہیں؟"

"سب ٹھیک ہے لیکن تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ میری وجہ سے ہوا ہے اس لیے میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ تمہارے دشمنوں سے۔۔۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے باس۔" دانش نے تیزی سے کہا۔ "میری حالت جو آج ہے وہ ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ماسٹر ٹونی کے ساتھ رہ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اب اتفاق ہی تھا جو تاریکی میں شکار ہو گیا۔ مگر میں نے اپنے دشمنوں کو شناخت کر لیا ہے۔ دس پندرہ روز کی بات اور ہے اس کے بعد میں ان سے ایسا بھیانک انتقام لوں گا کہ ان کی روحیں بھی قبر میں سکون سے نہ رہ سکیں گی۔"

"کون تھے وہ لوگ۔۔۔؟" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"خان جابر کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے۔" عدیم نے درمیان میں دخل اندازی کرتے ہوئے دانش سے سوال کیا۔

"خان جابر۔۔۔" دانش کی نگاہوں میں شعلے لپکنے لگے۔ "میری خواہش ہے کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے



چیل کووں کو کھلا دوں۔"

"میں کوشش کروں گا کہ تمہاری خواہش کی تکمیل کر سکوں۔"

"میں ایک بار پھر آپ کا شکر گزار ہوں سر۔" دانش نے عدیم سے کہا۔ "آپ نے بروقت مجھے موت کے منہ سے نکال لیا' اگر میں مر جاتا تو شاید میری روح بھی قیامت تک انتقام کی آگ میں جھلستی رہتی۔"

"دانش۔۔۔" میں نے پھر اسے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "جس وقت میرے مکان کو آگ لگائی گئی کیا خان جابر وہاں موجود تھا۔"

"میرا یہی خیال ہے باس۔"

"کیا مطلب۔۔۔" میں چونکا۔ "کیا تم نے خان جابر کا تعاقب نہیں کیا تھا؟"

"اگر وہ مجھے نظر آ جاتا تو شاید میں اس کا تعاقب کرنے کے بجائے گولیوں سے چھلنی کر دیتا لیکن شاید وہ مجمع میں کہیں چھپا تھا جو میری نظروں میں نہیں آ سکا۔"

"پھر۔۔۔ تم نے کس کا پیچھا کیا تھا۔"

"بہرام کا۔" دانش نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرام۔۔۔ یہ کون ہے؟"

"بہرام خان جابر کا باپ ہے باس' بظاہر ایک دبلا پتلا اور نشہ کرنے والا افیونی لگتا ہے لیکن اونگھتے وقت بھی اس کے جسم کی ہر نگاہ اپنے سائے سے بھی محتاط رہتی ہے۔" دانش نے کہا۔ "میرا خیال ہے وہ اور خان جابر دونوں ساتھ ہی تھے میں بہرام کے گریبان تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا لیکن عین وقت پر خان جابر نے تاک کر ریوالور کا دستہ یا پھر کوئی آہنی راڈ پشت سے میرے سر پر مارا تھا جس کے بعد مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔۔۔ لیکن شاید اس میں بھی میری ہی غلطی تھی۔"

"کیا مطلب۔۔۔"

"مجھے آپ کو فون پر آنے والے خطروں سے آگاہ کرنے سے پیشتر کم از کم بہرام کو پوری طرح قابو کر لینا چاہیے تھا۔ مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا بزرگوں نے کہا ہے کہ دیر آید درست آید۔ اب میں بہرام اور خان جابر دونوں کو کتے کی موت ماروں گا۔ بہرام کے علاوہ میں اس کے کچھ دوسرے ساتھیوں سے بھی واقف ہوں۔ وہ میرے ہتھے چڑھ گئے تو میں انہیں بھی نہیں بخشوں گا۔"

"بہرام اب کہاں مل سکتا ہے؟" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ایسے دہشت گرد جو بڑی افراتفری پھیلانے کے عادی ہوتے ہیں اندر سے اتنے ہی محتاط ہوتے ہیں۔" عدیم نے تیزی سے کہا۔ "دانش کی نظروں میں آ جانے کے بعد بہرام بھی یقیناً کہیں انڈر گراؤنڈ چلا گیا ہو گا۔"

"میں اس ولدالحرام کے بہت سارے ٹھکانوں سے واقف ہوں سر۔" دانش نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "مجھے ذرا اپنے پیروں پر کھڑا ہو لینے دیجیے اس کے بعد میں ثابت کروں گا کہ ماسٹر ٹونی کا شاگرد ہونا بھی کتنے فخر کی بات ہے۔"

"فی الحال جا کر آرام کرو۔" عدیم نے جلدی سے کہا۔ "ابھی تمہارے زخم تازہ ہیں' ان کے بھرنے میں کچھ وقت لگے گا۔"

کوئی خاص وجہ تھی جو عدیم دانش کو میرے سامنے سے ہٹانا چاہتا تھا۔ میں اندر ہی اندر تلملا کر رہ گیا۔ دانش نے عدیم کا اشارہ پا کر ایک نظر میری جانب دیکھا پھر کراہتا ہوا اٹھا اور لنگڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ میرا خون بری طرح جوش مار رہا تھا' عدیم نے میری کیفیت بھانپ لی تھی اس لیے دانش کے کمرے سے نکلتے ہی بڑے سکون سے بولا۔

"جو لوگ گرم گرم کھانے کے عادی ہوتے ہیں وہ اکثر اپنا منہ جلا بیٹھتے ہیں۔"

"لیکن۔۔۔"

"صبر سے کام لو میرے دوست۔۔۔" عدیم نے میرا جملہ کاٹا۔ "وقت کا انتظار کرو اور میری ایک نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا۔۔۔ سانپ کو اس طرح مارو کہ اس کا کچومر بھی نکل جائے اور لاٹھی بھی محفوظ رہے۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ دانش میری وجہ سے اس حال کو پہنچا ہے۔ اس کے باوجود تم مجھے پرسکون رہنے کی تلقین کر رہے ہو۔" میرے لہجے میں شکوہ شامل تھا۔ "کیا میں اتنا ہی گیا گزرا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے کوئی انتقام بھی نہیں لے سکتا۔"

"وقت کا انتظار کرو جان من۔" عدیم نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ابھی تمہیں ایسے بیشمار مواقع ملیں گے جب تم دل کھول کر اپنی بھڑاس نکال سکو گے۔ اس وقت میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کروں گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ عدیم کے آفس کا جنوبی دروازہ کھلا اور وہی دبلا پتلا دراز قد آدمی اندر داخل ہوا جسے عدیم نے ماسٹری کا نام دے رکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ عادی افیونی اور نشئی بے خبر سا لگ رہا تھا لیکن اس کے اندر یقیناً کچھ ایسی ہی خاص بات تھی کہ عدیم اسے دیکھتے ہی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہوں میں بالکل نئی سی چمک ابھری تھی جیسے کسی درندے کی نگاہوں میں کسی شکار کو دیکھ کر ابھرتی ہے۔

"کیا خبر ہے؟" عدیم نے بڑی سنجیدگی سے سوال کیا۔

جواب میں ماسٹری نے ایک نظر میری جانب دیکھا پھر عدیم کا اشارہ پا کر بولا۔

"ماسٹر۔ تمہارا کام ہو گیا ہے۔"

"گڈ۔" عدیم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔ "نمبر دو کا کیا بنا؟"

aazzamm@yahoo.com

"وہ اب مردہ حالت میں اپنے فلیٹ کے نرم و گرم بستر پر آرام سے لیٹا ابدی نیند سو رہا ہے۔" ماسٹر جی نے نہایت اطمینان اور بے پروائی سے جواب دیا۔

"کیا اس نے زبان کھولی تھی۔"

"نہیں، لیکن اتفاق ہی تھا جو نمبرون کا ایک ساتھی بھی وہاں آگیا۔" ماسٹر جی نے چٹخارہ لیتے ہوئے کہا۔ "زندگی بڑی عزیز شے کا نام ہے ماسٹر اور موت ایک ایسا بھیانک تصور ہے جو بڑوں بڑوں کا پتہ پانی کر دیتا ہے۔ میں نے نمبرون کو بے بس کر کے اس کے گلے میں تار کا پھندا ڈال کر کسا تو اس کی آنکھیں ابل کر حلقے سے باہر آگئیں۔ اس کا ساتھی اس وقت لرز رہا تھا پھر اس نے زبان کھولنے میں دیر نہیں لگائی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کا نام کہیں درمیان میں نہیں آئے گا۔ ہماری کامیابی کی صورت میں بڑی مچھلیاں یہی سمجھیں گی کہ نمبرون نے موت سے پہلے زبان کھول دی تھی۔"

"نمبرون کے ساتھی کا کیا نام ہے؟" ندیم نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"سوری ماسٹر۔ میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا وہ نہیں توڑ سکتا۔" ماسٹر جی نے بدستور بڑی بے پروائی سے جواب دیا۔ "البتہ میں نے اس سے یہ عہد کیا تھا کہ کامیابی کی صورت میں اسے بیس ہزار کی رقم کی ادائیگی یقینی ہوگی اور وہ رقم۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" ندیم نے اپنی کرسی پر کسمسا کر جواب دیا۔ "انفارمیشن کیا ہے؟"

"ہفتے اور اتوار کی درمیانی رات کو فلائٹ نمبر 613 ٹھیک بارہ اور ایک کے درمیان لینڈ کرے گی اس سے ایک مریض اترے گا جس کے لیے ائر کمپنی باقاعدہ وہیل چیئر فراہم کرے گی۔ نمبرون کے ساتھی کی اطلاع کے مطابق اس مریض کی سیدھی ٹانگ پر ران کی جگہ آپریشن کر کے اس میں کروڑوں روپے کے ہیرے اور جواہرات چھپائے گئے ہیں۔ ان جواہرات اور قیمتی ہیروں کو ایک ایسے بیگ میں رکھا گیا ہے جسے کوئی مشین ڈی ٹیکٹ نہیں کر سکتی۔"

ندیم نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ ماسٹر جی کی اطلاع پر وہ کسی گہری سوچ میں گم ہوگیا تھا۔ میں نے ماسٹر جی کی جانب دیکھا۔ وہ اس وقت بھی بڑی بے پروائی سے اپنی نشست پر بیٹھا کسی الغوزی ہی کی طرح چنگ میں نظر آرہا تھا۔ اس نے جس انداز میں ندیم سے نمبرون کے ساتھی کا نام بتانے سے انکار کیا تھا اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنی زبان کا دھنی ہے اور براہ راست ندیم کے ماتحتوں میں سے نہیں ہے۔

"کامیابی کی صورت میں بیس ہزار کی رقم کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟" ندیم نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا تو ماسٹر جی کے بھونڈے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ ابھر کر گہری ہوتی چلی گئی۔ اس نے کسی زہریلے ناگ کی طرح بل کھا کر خشک لہجے میں کہا۔

"ماسٹر۔ مجھے اس سوال کی امید نہیں تھی۔"

"کیا مطلب۔"

"ایم کے ایسے کسی گیم کو پسند نہیں کرتا جس میں ڈبل کراسنگ کا راستہ نکلتا ہو۔" ماسٹر جی نے سرد آواز میں کہا۔ "وہ رقم میرے حوالے کی جائے گی اور اسے صاحب معاملہ تک پہنچانا میری ذمہ داری ہوگی۔"

"گڈ۔" ندیم نے اچانک پینترا بدل کر جواب دیا۔ "مجھے تم سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔ شاید اسی لیے میری نظر انتخاب موجودہ معاملے میں تمہارے اوپر پڑی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ تم قول اور وعدے کے پکے ہو اور ڈبل گیم کو پسند نہیں کرتے۔"

"میرے لیے اب کیا حکم ہے؟"

"تم جا سکتے ہو۔" ندیم نے کہا پھر دراز سے دس ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اسے ماسٹر جی کی طرف اچھالتے ہوئے بولا۔ "یہ تم رکھ لو۔"

"کیا میں اسے بیس ہزار کی رقم کا ایڈوانس سمجھوں۔"

"نہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ بیس ہزار کی رقم تمہیں کامیابی کے بعد ادا کر دی جائے گی۔"

"شکریہ۔" ماسٹر جی نے رقم اٹھا کر بے پروائی سے جیب میں رکھی پھر جانے کے ارادے سے اٹھا۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ نمبرون کی لاش ابھی تک اس کے نرم و گرم بستر پر موجود ہوگی۔" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔

"کیوں۔" ماسٹر جی کے تیور تیکھے ہو گئے۔ "اس سوال کی کیا ضرورت تھی۔"

"غلط مت سمجھو۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ کہیں نمبرون کے ساتھی نے اس کی موت کی اطلاع اوپر تک نہ پہنچا دی ہو۔"

"ایسی صورت میں اس کا انجام بھی نمبرون سے مختلف نہ ہوگا اور تمہاری بیس ہزار کی رقم بھی محفوظ رہے گی۔" ماسٹر جی نے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔ "میں کچے کام کرنے کا عادی نہیں ہوں، اگر ہوتا تو شاید تم میرا انتخاب بھی نہ کرتے ماسٹر۔ جاتے جاتے ایک درخواست اور کروں گا۔ دوبارہ کسی موقع پر بھی مجھے کریدنے یا ٹٹولنے کی کوشش نہ کرنا۔ ماسٹر جی اس قسم کی باتوں کا عادی نہیں ہے۔" پھر وہ مسکراتا ہوا پلٹا اور دفتر سے باہر نکل گیا۔

میرے لیے یہ پہلا اتفاق تھا جب میں نے ندیم کو کسی کے مقابلے میں کمتر محسوس کیا تھا چنانچہ میں نے ماسٹر جی کے جانے کے بعد پوچھا۔

"کیا یہ تمہارے ماتحتوں میں سے نہیں ہے۔"

"نہیں، لیکن اس کا شمار ان خطرناک لوگوں میں کیا جاتا ہے



جو اپنا ہاتھ صاف رکھنے میں پوری مہارت رکھتے ہیں اور ناممکن کو بھی ممکن بنا دینے میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے۔"

"نمبرون کون ہے؟"

"میں نے ابھی تم سے بہرام کا تذکرہ کیا تھا جس کی حیثیت بوش جوزف کے لیے کنگ ماسٹر کی سی تھی۔"

"آئی سی۔" میں نے کسی حد تک معاملے کی نوعیت کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "گویا تم نے بوش کا ایک اور اہم ترین مہرہ پیٹ دیا۔"

"جرائم کی دنیا کے کھیل بھی شطرنج کی بساط کی مانند ہوتے ہیں۔" ندیم مسکرایا۔ "اس کی ہر چال بہت سوچ سمجھ کر چلنی پڑتی ہے۔ ایک ذرا سی لغزش بساط کا رخ پلٹ کر رکھ دیتی ہے۔"

"لیکن بہرام کی موت سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" میں نے کچھ سوچ کر دریافت کیا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ بوش اس بات کو تسلیم کرلے گا کہ بہرام جیسا خطرناک دہشت گرد اسی کا آدمی تھا۔"

"جب تک بازی ختم نہ ہو۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ جیت کس کی ہوگی اور کون اپنی شکست تسلیم کرے گا؟" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر اس نے اپنے ان لسٹڈ فون (UN-LISTED) کا ریسیور اٹھایا اور اس کا مائیک آن کرنے کے بعد خاموش رہنے کا اشارہ کر کے کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ ایک منٹ بعد ہی مائیک پر دوسری جانب سے گھنٹی بجنے کی آواز ابھری پھر پانچویں گھنٹی پر کال ریسیو کی گئی۔

"بی جے اسپیکنگ۔" دوسری جانب سے تانبا "بوش جوزف نے ہی فون ریسیو کرنے کے بعد اپنے نام کا مخفف ادا کیا تھا

"مجھے بوش جوزف سے بات کرنی ہے۔" ندیم نے آواز بدل کر انگریزی میں کہا۔ اس کا لب و لہجہ سو فیصد کسی غیر ملکی سے ملتا جلتا تھا۔

"بول رہا ہوں۔" بھاری بھرکم آواز میں جواب ملا۔

"میں ولیم ہو کر بول رہا ہوں۔" ندیم نے سنجیدگی اور نفرت کے ملے جلے انداز میں کہا۔ "مسٹر جوزف کا فرسٹ کزن۔"

"میں یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ہاں۔ تم غلط نہیں کہہ رہے لیکن میں نے دیدہ و دانستہ جوزف کے مرنے کے فوراً ہی بعد منظر عام پر آنے کی حماقت نہیں کی۔"

"اب جو حماقت کر رہے ہو اس کا کیا سبب ہے؟"

"جوزف کی موت کے بعد اس کا فرسٹ کزن ہونے کی حیثیت سے میں بھی اس کروڑوں کی دولت کا حصہ دار ہوں جس پر تم نے قبضہ جما رکھا ہے۔" ندیم نے حقارت سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب تم میرے فون کرنے کا مطلب اور مقصد دونوں سمجھ گئے ہو گے۔"

"کیا تم براہ راست مجھ سے مل کر گفتگو نہیں کر سکتے؟"

"نہیں۔ اس لیے کہ میں یہ معلوم کر چکا ہوں کہ تمہارے ہاتھ کتنے لمبے ہیں اور تم بذات خود بھی کتنے خطرناک آدمی ہو۔"

"تمہیں میرے بارے میں کسی دشمن نے غلط اطلاعات فراہم کی ہیں۔" دوسری جانب سے سپاٹ لہجے میں جواب ملا۔ "تم مجھ سے ملنے کا کوئی بھی وقت اور کوئی جگہ طے کر لو، پھر ہم اور تم بیٹھ کر آرام سے گفتگو کریں گے اور اگر تم حقیقت میں وہی ہو جو خود کو ظاہر کر رہے ہو تو مجھے تمہارا حصہ دینے میں یقیناً مسرت ہوگی۔"

"سوری مسٹر بوش۔" ندیم نے بدستور غیر ملکیوں جیسے انداز میں کہا۔ "تم میرے لیے مکڑی کا جو جال بننے کی کوشش کر رہے ہو میں اس میں آسانی سے نہیں آؤں گا۔"

"پھر رقم یا حصہ کی تقسیم اور اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟" اس بار بھی بڑی معصومیت سے سوال کیا گیا۔

"میں تمہیں اس کا آسان طریقہ بتاتا ہوں۔" ندیم نے ایک لمبے تامل کے بعد کہا۔ "سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ میں تم سے زیادہ بڑی حیثیت کا مالک ہوں اس لیے مجھے دولت کا کوئی لالچ نہیں ہے لیکن تم نے جوزف کا جو مال ہڑپ کر رکھا ہے میں اسے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ حصے کی تقسیم اور اس کی ادائیگی کی صورت یہ ہوگی کہ میں تمہیں ایک رفاہی ادارے کا نام فون پر ہی بتاؤں گا اور تم کسی چوں چرا کے بغیر دو کروڑ کی رقم اس ادارے کے کھاتے میں ڈونیشن کے طور پر جمع کرا دو گے۔ اس کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا اور تم آسانی سے باقی دولت کے سہارے عیش کرتے رہو گے۔"

"تمہاری تجویز نہایت معقول ہے لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم جوزف کے کزن ہی ہو۔" بڑے تحمل سے کہا گیا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اسی رفاہی ادارے کے کوئی فراڈ ہو اور مجھے بیوقوف بنا کر ایک کثیر رقم حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو؟"

"تم خاصے ذہین اور چالاک آدمی ہو، بالکل کسی لومڑی کی طرح، لیکن اس کے باوجود تمہیں میری تجویز پر عمل کرنا پڑے گا۔"

"ورنہ تم میرے خلاف کسی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ سوچ لو، ایسی صورت میں بھی تمہیں کھل کر میرے سامنے آنا پڑے گا۔"

"اگر میں یہ کہوں مسٹر بوش کہ تم میرا اور اپنا دونوں کا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہو تو۔" ندیم نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہارا ذاتی خیال ہوگا جس کے لیے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"گویا تم شرافت سے میری بات نہیں مانو گے۔ کیوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مسٹر ولیم پوکر۔ یا جوکر۔ یا تم جو کوئی بھی ہو اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہو۔" اس بار بھوشن کے لہجے میں برہمی اور حقارت تھی۔ "اور میں اس بات کو پسند کرنے کا عادی نہیں ہوں کہ تم جیسے لوگوں کی بات برداشت کروں۔"

"میں اپنی تجویز کے سلسلے میں تمہارا جواب سننا پسند کروں گا۔" ندیم نے کرخت آواز میں جواب دیا۔

"دو بدو ملاقات کے بغیر میں تمہاری کسی تجویز پر عمل کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"

"کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔"

"ہاں' اور اگر تم میرے بارے میں واقف ہو تو یہ بھی جانتے ہو گے کہ بھوشن کی زبان سے ایک بار جو بات نکل جائے وہ پتھر پر لکیر کی حیثیت رکھتی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری ماں جو ہندو تھی اور دوسروں کے گھروں کا کام کاج کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی اس نے کس طرح جوزف کو اپنے حسن کے جال میں پھانسا تھا۔" ندیم کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔ "کیا تم یقین سے کہہ سکتے ہو کہ تمہاری ماں نے میرے کزن سے باقاعدہ شادی کی تھی یا تم ان کے درمیان پیدا ہونے والے ناجائز تعلقات کی نشانی ہو؟"

"شٹ اپ۔ یو سن آف اے بچ۔" بھوشن گرج پڑا۔

"او کے مسٹر باسٹرڈ۔ تمہیں بہت جلد اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ تم نے میری تجویز نہ مان کر کتنی حماقت کا ثبوت دیا ہے۔" ندیم نے نفرت سے کہا پھر کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ریسیور کریڈل پر رکھ کر مائیک آف کر دیا اور اب اس کے ہونٹوں پر ایک شریر اور معنی خیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"میں نہیں سمجھ سکا کہ تمہیں کسی ولیم پوکر کا کردار تخلیق کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟" میں نے ندیم سے کہا۔

"محبت اور جنگ میں بہت سے کردار درمیان میں آجاتے ہیں۔" ندیم نے سگریٹ جلا کر ایک طویل کش لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تم چونکہ قانون کے محافظ رہ چکے ہو اس لیے جرائم کی دنیا کے پیچ و خم سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میری ایک بات یاد رکھو' اگر دشمن کو کمزور کرنا ہو تو اس کے اعصاب پر حملہ آور ہو۔" ندیم نے کہا۔ "ولیم پوکر کا کردار فرضی ہی سہی لیکن بھوشن جیسے لالچی آدمی کی راتوں کی نیند حرام کر دینے میں بڑا موثر ثابت ہو گا۔"

"اور اس کے بعد۔"

"اس کے بعد جو کچھ ہو گا اس کے بارے میں وقت سے پہلے کچھ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ابھی تو میں نے بھوشن کے ساتھ شطرنج کے کھیل میں پہلی چال چلی ہے۔"

"دوسری چال کیا ہو گی؟" میں نے وضاحت طلب نظروں سے ندیم کو گھورا۔ جواب میں ندیم نے محض مسکرانے پر اکتفا کی پھر اس نے مائیک کا ریسیور دوبارہ آن کیا اور کسی کے نمبر گھمانے لگا۔

"ہیلو' ڈی' ایس' پی سراج اسپیکنگ۔" دوسری جانب سے سراج کی آواز ابھری۔

"میں بھوشن جوزف کا ایک عزیز بول رہا ہوں۔ ولیم پوکر۔" ندیم نے ایک بار پھر غیر ملکیوں کی آواز اختیار کر لی تھی۔

"میرے لیے کوئی خاص کام۔" سراج کے لہجے میں خنکی تھی شاید حالات کے پیش نظر وہ بھوشن جوزف یا اس کے کسی عزیز کا نام سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔ اسے علم تھا کہ بھوشن کی اصلیت کیا ہے؟ کوئی درمیانہ طبقے کا آدمی ہوتا تو سراج اسے اب تک کیفر کردار تک پہنچا چکا ہوتا لیکن اسے بخوبی علم تھا کہ بھوشن کے تعلقات خاص طور پر وزیر قانون سے کس قدر مادر پدر آزاد ہیں۔ ایسی حالت میں سراج کے قدم کی ایک معمولی سی لڑکھڑاہٹ بھی اس کی تمام عمر کی بے داغ ملازمت کو ملیامیٹ کر سکتی تھی۔ یقیناً یہی وجہ تھی جو ولیم پوکر کا نام بھوشن کے کسی عزیز کی حیثیت سے سنتے ہی اس کے لب و لہجے میں بیزاری آگئی تھی۔

"ڈونٹ وری مسٹر سراج۔" ندیم نے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے دوستانہ انداز اختیار کیا۔ "میں بھوشن کا نہیں بلکہ جوزف کا عزیز دار ہوں جس کی دولت پر بھوشن عیش کر رہا ہے۔"

"میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"مجھے تمہاری مجبوری کا احساس ہے لیکن میں تمہاری مدد کے بغیر بھی بھوشن سے انتقام لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" ندیم کے لہجے میں کراہت آگئی۔ "وہ ولد الحرام مجھے میرا حصہ دینے سے انکار کر رہا ہے اور میں نے طے کر لیا ہے کہ جس مقصد کے لیے میں نے ایک طویل سفر طے کیا ہے اسے پورا کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی موت ہی کیوں نہ گوارا کرنی پڑے۔"

"کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم فون پر گفتگو کرنے کے بجائے۔۔۔"

"نہیں۔" ندیم نے سراج کا جملہ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "بھوشن نے بھی مجھے بے نقاب کرنے کی خاطر کچھ ایسی پیشکش کی تھی لیکن میں فی الحال اس وقت تک پردے کے پیچھے رہنا چاہتا ہوں جب تک اس۔۔۔ کو اس کی اوقات کا احساس نہ دلا دوں۔"

"یہ آپ کا اور مسٹر بھوشن کا ذاتی معاملہ ہے اور میں۔۔۔"

"تم قانون کے محافظ ہو' ڈی ایس پی اور میں تمہیں ایک ایسی اطلاع فراہم کرنا چاہتا ہوں جس کے بعد تمہارا تعلق پیدا ہو جائے گا۔" ندیم نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہرام کا نام بھی سنا ہے تم نے؟"

"ہاں۔" اس بار سراج نے بیزاری کے بجائے دلچسپی کا



اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ ایک خطرناک مجرم ہے جس کے نام پر اب تک ان گنت وارداتیں پولیس کے ریکارڈ پر ہیں لیکن ابھی تک کوئی ایسا ٹھوس ثبوت نہیں ملا جس کی بنیاد پر اسے گرفتار کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ۔۔۔"

"اسے بھوشن جیسے ولد الحرام کی حمایت بھی حاصل ہے۔" ندیم نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب تمہیں کسی ثبوت کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ تم چاہو تو اسی وقت بہرام کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"بہرام اس وقت ایک اکڑی ہوئی سرد لاش کی طرح اپنے فلیٹ کے بستر پر پڑا ہے۔ تم اس کی لاش کو اپنی تحویل میں لے سکتے ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ بہرام کے فلیٹ کی تفصیلی تلاشی لینے کے بعد تمہیں کچھ ایسے ثبوت بھی مل جائیں جو اس کے اور بھوشن کے درمیان گٹھ جوڑ ثابت کرنے کے لیے موثر ثابت ہوں۔"

"بہرام کا قتل کس نے کیا ہے؟" سراج نے تیزی سے سوال کیا۔

"تمہیں صرف آم کھانے سے غرض ہونی چاہیے۔" ندیم نے حقارت سے کہا پھر سنجیدگی سے بولا۔ "آج کی رات تم بہرام پر خرچ کر دو۔ کل میں تمہیں ایک ایسی اطلاع دوں گا جس میں اگر تم نے دور اندیشی سے کام لیا تو بھوشن کو آہنی سلاخوں تک لے جانے میں تمہیں کوئی دشواری لاحق نہیں ہو گی۔"

"کیا تم قبل از وقت مجھے کوئی اشارہ دے سکتے ہو؟"

"ہاں' لیکن صرف اس حد تک کہ کل تمہیں بھوشن کے ایک ایسے ایجنٹ کو گرفتار کرنا ہو گا جو اس غلط تحقیق کے لیے بڑے پیمانے پر اسمگلنگ کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اگر تم اسے پولیس کے ڈرائنگ روم ٹریٹمنٹ کی فل ڈوز دینے میں کامیاب ہو گئے تو وہ سب کچھ اگل دے۔ تمہیں اس شخص سے گفتگو کرتے وقت کوئی خفیہ ٹیپ ریکارڈر رکھنا ہو گا تاکہ تم اس کی آواز میں اس کا اعتراف اور بھوشن سے اس کا تعلق ریکارڈ کر سکو۔"

"اگر ایسا ممکن ہوا تو میں یقیناً تمہارا شکر گزار رہوں گا' لیکن ایک بات ابھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اگر تم واقعی جوزف کے عزیز دار ہو تو اتنے عرصے تک سامنے آنے سے کیوں گریز کرتے رہے۔"

"میرے ساتھ بھی وہی مجبوریاں لاحق تھیں جو تمہیں درپیش ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ثبوت۔" ندیم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اب میں اس حرامی سور کے بارے میں بہت کچھ معلومات حاصل کرنے کے بعد اس کے قریب آیا ہوں لیکن اتنا قریب بھی نہیں کہ وہ کمینہ سونگھ کر اپنے شکاری کتوں کو میرے پیچھے لگا سکے۔ تم شاید میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔"

"بہرام کو قتل کرنے میں کیا مصلحت درپیش تھی۔" سراج نے پوچھا۔

"میں بھوشن کو احساس دلانا چاہتا ہوں کہ میں اس سے کمزور نہیں ہوں۔" ندیم نے کرخت اور سفاک لہجے میں کہا۔ "بہرام کا قتل میرے پروگرام کی پہلی کڑی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بھوشن کے کچھ پالتو کتے میری ہٹ لسٹ پر موجود ہیں۔"

"ون منٹ۔" سراج نے بڑی جلد بازی میں کہا۔ "میرے فون پر ایک دوسری کال کے سگنل موصول ہو رہے ہیں۔ میں اسے اٹینڈ کر کے دوبارہ تم سے بات کرتا ہوں۔ لائن ڈس کنیکٹ نہ کرنا۔"

"مجھے علم ہے مسٹر ڈی ایس پی کہ تم ایک ایماندار' تجربہ کار اور ذہین پولیس آفیسر ہو لیکن اتنے بھی نہیں کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔" ندیم نے سرد لہجہ اختیار کر لیا۔ "تمہاری کوشش میرا نمبر ٹریس کرنے میں کامیاب نہیں ہو گی اس لیے کہ میں ایک بوتھ سے بات کر رہا ہوں۔ فی الحال تم وقت ضائع کیے بغیر بہرام کے فلیٹ پہنچنے کی کوشش کرو ورنہ اگر اس جنگلی سور کو بھنک بھی مل گئی تو شاید تمام زندگی بہرام کی لاش بھی نہ تلاش کر سکو۔ کل تم سے دوبارہ گفتگو ہو گی۔ بائی' بائی۔"

ندیم نے دوبارہ ریسیور رکھ کر مائیک بند کر دیا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس نے بھوشن کے اعصاب کو کمزور کرنے کے جو طریقے استعمال کیے تھے وہ اپنی جگہ درست تھے لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ بھوشن جیسا صاحب حیثیت اور اثر و رسوخ رکھنے والا اتنی آسانی سے ماؤس ٹریپ میں آجائے گا چنانچہ میں نے ندیم سے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم لانگ روٹ اختیار کرنے کے بجائے کسی شارٹ کٹ سے اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں؟"

"نہایت آسان طریقہ ہے۔" ندیم نے معصومیت سے جواب دیا۔ "میں اپنے کسی ماتحت کو بھی اس بات پر آمادہ کر سکتا ہوں کہ وہ کوئی پہلا مناسب موقع ملتے ہی ریوالور کا پورا چیمبر بھوشن کے جسم پر خالی کر دے۔"

"اور پکڑے جانے کی صورت میں کیا ہو گا؟"

"مجھے آج تک میرے کسی ماتحت نے مایوس نہیں کیا۔" ندیم نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔ "اول تو میرے آدمی کچا کام کرنے سے گریز کرتے ہیں اور اس کام کے ہر پہلو نتائج کو ذہن میں محفوظ رکھتے ہیں۔ رہا بھوشن کا معاملہ تو میں اس کی موت کے لیے کسی ایسے ہی آدمی کا انتخاب کروں گا جس کی بازیابی کے امکانات کم ہوں گے اور اگر بد قسمتی سے وہ قانون کی

aazzamm@yahoo.com

نظروں میں آگیا تو پکڑے جانے سے پہلے وہ خودکشی کو ترجیح دے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ طریقہ کامیاب نہیں ہوگا۔" میں نے اپنے تجربے کی بنیاد پر کہا۔ "جو لوگ خود کو بہت اہم سمجھتے ہیں یا جرائم کی دنیا میں کوئی خاص مقام رکھتے ہیں وہ اپنے گردوپیش سے بھی بے خبر نہیں ہوتے۔ بوش نے بھی یقیناً ایسے گارڈز مقرر کر رکھے ہوں گے جو کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس کی مکمل حفاظت کا خیال رکھتے ہوں گے۔"

"پھر تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں نے ابھی تک کوئی آخری نتیجہ اخذ نہیں کیا۔" میں نے اپنے سینے کے اندر انتقام کی سلگتی آگ پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "البتہ میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ بوش اور اس کے زرخرید دہشت گردوں ہی نے موہنی یا کول ورما کے اکسانے پر میرے گھر کو نذر آتش کیا ہے۔ اتفاق ہی تھا جو میری ماں موت کے منہ سے بال بال بچ گئی ورنہ شاید ڈیڈی کی طرح وہ بھی طاغوتی قوتوں کا شکار ہو گئی ہوتی۔ میں ان تمام وارداتوں کو آسانی سے فراموش بھی نہیں کر سکتا۔"

"شہباز۔" ندیم نے میرے چہرے کے تاثرات سے میرے دل کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "کیا تمہارا خیال ہے کہ مجھے انکل کی موت اور آنٹی کو پیش آنے والے حادثے سے کوئی دکھ نہ پہنچا ہوگا۔"

"میں تمہاری دوستی پر فخر کرتا ہوں لیکن..."

"تم کوئی حماقت کا ثبوت نہیں دو گے۔" ندیم نے میرا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور اگر میری نصیحت کے باوجود تمہارے ذہن میں کوئی پلان ہے تو میں بھی اس میں شامل ہونا پسند کروں گا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم تنہا کوئی قدم اٹھانے کی غلطی نہیں کرو گے۔"

"خان جابر کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" میں نے ندیم کی بات کو بڑی خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے پوچھا۔

"بہرام کی لاش کے بعد خان جابر کے جسم کے ٹکڑے وصول کرنے کے بعد بوش کو یقیناً کوئی خوشی نہیں ہوگی۔" ندیم کے لہجے میں سفاکی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ اس کے باوجود بوش آسانی سے اپنی ہار تسلیم نہیں کرے گا۔"

"ہمیں بوش کے ہار تسلیم کرنے کے بجائے اس کی بوکھلاہٹ پر زیادہ خوشی محسوس ہوگی۔" ندیم نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "تم نے کبھی بلی اور چوہے کے درمیان ہونے والا زندگی اور موت کا کھیل دیکھا ہے۔ بلی چوہے پر قابو پانے کے باوجود اسے فوری طور پر ختم نہیں کرتی۔ پنجے مار مار کر اسے اذیت دیتی ہے۔ وہ چوہے کو بھاگنے کا موقع بھی فراہم کرتی ہے لیکن نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی۔ پھر اس سے پہلے کہ اس کا شکار اس کی دسترس سے دور ہو۔ وہ دوبارہ جھپٹ کر اسے اپنے پنجوں میں جکڑ لیتی ہے۔ میں بھی بوش جوزف کے ساتھ بلی اور چوہے کا کھیل کھیلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"

"دانش کا کیا بنے گا؟" میں نے پہلو بدل کر پوچھا۔ "کیا دوبارہ منظر عام پر آنے کے بعد اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

"ضرور پہنچے گا۔" ندیم نے میرے شبے کی تائید کی۔ "ہو سکتا ہے کہ اس کا انجام ماسٹرفی سے بھی زیادہ خطرناک اور اذیتناک ہو۔ اسی لیے میں نے اسے فی الحال انڈر گراؤنڈ رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ حالات جیسے ہی سازگار ہوں گے میں اسے پہلی فرصت میں کسی دوسرے ملک کے لیے روانہ کر دوں گا۔"

"کیا طاغوتی قوتیں جو ہماری تباہی بربادی اور موت کی خواہاں ہیں وہ دانش کو بخش دیں گی؟ ماسٹرفی کو بھی اسی لیے زندگی بھر کے لیے معذور اور مفلوج کیا گیا تھا کہ اس نے میری خاطر کول ورما کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"ایسی صورت میں تو بس ایک ہی طریقہ کار باقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم اپنی کالکا رانی سے رابطہ قائم کر کے معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ ہمیں طاغوتی گندی اور ناپاک قوتوں سے بچنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔" ندیم کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک بیٹھا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر اٹھ کر کیبن سے باہر آگیا۔ چلتے وقت ندیم نے ایک بار پھر مجھ سے درخواست کی تھی کہ میں اس سے مشورے کے بغیر بوش جوزف یا کسی اور دشمن کے سلسلے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کروں گا۔

***

گاڑی چلاتے ہوئے میری نظریں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن حالات کے تانے بانے سلجھانے میں مصروف تھا۔ روپ نگر سے جو کہانی شروع ہوئی تھی وہ طول پکڑتے پکڑتے بوش ورما تک آگئی تھی۔ اس دوران مختلف حادثات بھی پیش آئے لیکن میں ابھی تک محفوظ تھا مگر میرے دشمن اور شیطانی قوتیں مجھے سرنگوں کرنے کی خاطر ہر طرح سے کوشاں تھیں۔ میرے والد کی اذیتناک موت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی خود موہنی کی گندی روح نے اس کا اعتراف کیا تھا۔ اسی نے مجھے میری ماں کے بارے میں اطلاع دی تھی لیکن میں ابھی تک ماں کے سائے سے محروم نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر زاویے سے مجھے ہراساں کرنے کی خاطر اپنا گھیرا تنگ کیے جا رہی تھیں۔

جرائم کی دنیا اگر شطرنج کی بساط کی حیثیت رکھتی تھی تو میرے مقابلے میں ندیم بہت دور اندیش اور شاطر کھلاڑی واقع


## پہلی محبت کے آنسو

★ اے حمید

کیا سچی محبت کرنے والے مرنے کے بعد بھی ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں؟ اس نے کہا تھا کہ میں موت کے بعد بھی تمہارا انتظار کروں گا۔ تم موت کے دروازے سے گزر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے پاس آجاؤ گی۔ دونوں ایک دوسرے کو جنون کی حد تک محبت کرتے تھے---- دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے، لیکن ان کے درمیان زندگی کا سمندر حائل تھا۔

سچی اور پاکیزہ محبت کی ایک انوکھی داستان جسے اے حمید کے رومان پرور قلم نے لکھا۔

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2 قیمت/-250 روپے

## مہاراجہ رنجیت سنگھ اور ان کی عیاشیاں

★ پروفیسر ایم اشرف ایم۔اے

فاضل مصنف نے انگریزی جرمن فارسی کی متعدد کتابوں کے مطالعہ کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کو قلم بند کیا ہے، اور تاریخ و حقائق کی روشنی میں کافی معلومات فراہم کی ہیں۔

قیمت/-75 روپے

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2


aazzamm@yahoo.com

ہوا تھا۔ بہرام کو ماسٹری کے ذریعے جہنم رسید کرنے کے بعد اس نے ولیم پوکر کے جس کردار کو تخلیق کیا تھا وہ ہر اعتبار سے بھرپور تھا۔ اس نے بھوشن ہوزف کو دوسری ضرب لگانے کی خاطر اپنے ذرائع سے جس مریض کے بارے میں ہیرے اور جواہرات اسمگلنگ کرنے کی معلومات حاصل کی تھیں وہ بھی ایک اہم کارنامہ تھا۔ وہ بھوشن کے اعصاب کو کمزور کرنے کے بعد اسے ریزہ ریزہ کرکے موت سے ہمکنار کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس کی چالیں یقیناً قابل ستائش تھیں۔ بہرام کی لاش دستیاب ہونے کے بعد اس کے ذہن میں ضرور ایک کھلبلی سی مچی گی اس کے بعد کروڑوں کا نقصان ہونے کی خبر اس کے لیے ایک دھچکا ثابت ہوتی پھر خان جابر کے جسم کے ٹکڑوں کا پارسل موصول ہونے کے بعد شاید اس کے اندر ایک ہلچل بھی برپا ہو جاتی۔ ولیم پوکر کا فرضی کردار جس کے سامنے حقیقت کا رنگ اختیار کر سکتا تھا

ندیم نے اعصابی طور پر بھوشن کو [illegible] کمزور کرنے کا جو پلان مرتب کیا تھا وہ اپنی جگہ بھرپور تھا۔ شیطانی قوتیں ندیم کے ذہن اور میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے سے قاصر تھیں لیکن وہ بہرام کی موت اور خان جابر کے بارے میں یقیناً علم رکھتی ہوں گی اور اگر ایسا تھا تو پھر ماورائی قوتیں بھوشن کو قبل از وقت پیش آنے والے خطرات سے آگاہ بھی کر سکتی تھیں۔ ندیم کی شاطرانہ چالوں کا توڑ بھی ان گندی روحوں کے لیے کسی کھیل تماشے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ایسی صورت میں میرے لیے کھیل کو طول دینے کا ارادہ خطرناک بھی ہو سکتا تھا چنانچہ میرا ذہن کسی شارٹ کٹ کے بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہا تھا۔

ندیم میرا عزیز دوست تھا۔ متعدد مواقع پر اس نے اپنی زندگی کی پرواہ کیے بغیر میری مدد کی تھی۔ میری والدہ کو اپنی ہمت کے پیچھے پناہ دینے کے بعد اس نے ماورائی قوتوں کو بھی اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ میں اس کی مدد کے بغیر اپنے حریفوں پر کوئی کاری ضرب لگانے کا خواہشمند تھا۔ میں نے کوبل درما کو خود موت کی وادیوں میں دھکا دیا تھا لیکن پانڈے کا بیان تھا کہ وہ ابھی تک ایک پراسرار روح کی طرح کسی کی نظروں میں آئے بغیر اس کے دفتر میں اپنا کام حسب معمول انجام دے رہی ہے۔ موہنی اس کے مقابلے میں زیادہ خطرناک کردار ادا کر رہی تھی۔ کاکا نے بھی یہی کہا تھا کوبل درما کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس نے یہ بھی اعتراف کیا تھا کہ شنکر کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بڑی قوتوں نے اس پر کچھ پابندیاں عائد کر دی تھیں اس لیے وہ بھی موہنی کے خلاف کوئی خطرناک اور انتقامی قدم اٹھانے سے مجبور ہے۔ اچانک میرے ذہن پر ایک پراسرار خدشہ ابھرا۔

کاکا، موہنی اور لیڈی مکلارنس، میں نے سوچا کہیں یہ تینوں پراسرار کردار ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ تو نہیں ہیں جو صورتیں بدل بدل کر مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ کاکا کی مجبوری کی کہانی مجھے وقتی طور پر فریب دینے کی سازش تو نہیں؟ موہنی کی طاقت کی پشت پر کون تھا؟ کاکا یا پھر لیڈی مکلارنس؟

میں ابھی ذہنی گھٹن ٹھیک کرنے میں مصروف تھا کہ میرے ذہن میں یکلخت کمبل پوش بزرگ کا خیال ابھر آیا۔ ایک عرصے سے وہ میری رہنمائی کی خاطر سامنے نہیں آئے تھے۔ شاید وہ مجھ سے ناراض تھے اس لیے کہ میں نے ان کے بتائے ہوئے راستوں پر عمل نہیں کیا تھا مگر ان کا دیا ہوا صندلی انگوٹھی کا تحفہ میری انگلی میں موجود تھا۔ یہ اسی انگوٹھی کی کرامت تھی جو شیطانی قوتیں میرے دل کا حال جاننے سے قاصر تھیں۔ کاکا کے علاوہ موہنی نے بھی اس کا اعتراف کیا تھا۔ لیڈی مکلارنس نے بھی مجھے یہی باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بھی اسی قوت کا کھوج لگانے کی خاطر میری شخصیت میں دلچسپی لے رہی ہے ورنہ ایک عام شخص کی حیثیت میں میرے اندر اپنے کوئی خاص بات نہیں تھی جو وہ اپنے قیمتی وقت کا زیاں کرتی۔

میرے ذہن میں شنکر کا تصور ابھرا جس نے داور کے مر جانے کے بعد دوبارہ اسے زندہ کیا تھا اور میری ہلاکت پر مامور کیا تھا لیکن اسی صندلی انگوٹھی کی کرامت نے اسے جلا کر خاک کر دیا تھا۔ کاکا نے مجھ سے کہا تھا کہ جب دو قوتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے ایک جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ سنا بابا" اسی لیے اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں اس کے خوبصورت اور حسین جسم کو ہاتھ لگانے کی غلطی نہ کروں۔ میں نے صندلی انگوٹھی کی سمت غور سے دیکھا۔ میں اس کی کرامت سے کوئی اہم کام لینے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ اچانک مجھے کار میں اپنے بہت قریب کسی اور کی موجودگی کا احساس ہوا۔ "کاکا" میرے ذہن میں کاکا کا تصور جاگ اٹھا۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ اس لیے کہ ایک لمحے بعد ہی میرے کانوں میں کاکا کی مانوس آواز گونجی تھی۔

"شہباز۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اس سے کچھ زیادہ ہی بے کل ہو۔"

"کیا تم میری پریشانیوں کی وجہ نہیں جانتیں؟" میں نے اسے کریدنے کی کوشش کی۔

"میں وشواس سے نہیں کہہ سکتی اس لیے کہ ابھی تک میرے اور تمہارے دل کی گہرائیوں کے درمیان ایک سیاہ چادر تنی ہوئی ہے لیکن میرا من کہتا ہے کہ تم اس سے بھوشن کے بارے میں سوچ رہے ہو۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔"

"ابھی کچھ مت سوچو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "جب تک موہنی کی شکتی اس کی ساتھ دے رہی ہے تم اس کے خلاف کچھ نہ کر سکو گے۔ کچھ دن اور انتظار کرو۔ وہ ناسمی گتھی ہوئی بگھیاں واپس کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا کہ موہنی کا انت (انجام) شنکر سے بھی زیادہ بھیانک ہو گا۔"

"اور دیوی دیوتا تمہیں دوبارہ سزا دینے کی خاطر تمہارے اوپر اپنا عتاب نازل کر دیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت کاکا کا مشورہ میرے حلق سے نیچے نہیں اتر سکا تھا۔

"تمہارے کارن مجھے سب منظور ہے۔" اس کے لہجے میں پیار کی شدت اور جذبوں کی فراوانی تھی۔

"تم نے کہا تھا کہ اگر تم نے دوبارہ دیوی دیوتاؤں کی مرضی کے بغیر کوئی خطرناک قدم اٹھایا تو وہ تمہیں ہمیشہ کے لیے ایک مورتی کی شکل میں تبدیل کر دیں گے پھر تمہارے لیے معافی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔"

"ہاں۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا۔" کاکا نے ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جواب دیا پھر حسرت بھری آواز میں بولی۔ "تمہارے پریم کے کارن میں بڑے سے بڑا بلیدان دینے کو تیار ہوں۔"

"میں اپنے ایک ایک دشمن کو چن چن کر اذیتناک موت مارنے کا خواہاں ہوں۔" میں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا تم مجھے اس کے لیے کوئی آسان راستہ بتا سکتی ہو؟"

"اس کے لیے سب سے پہلے موہنی کی شکتی کو ختم کرنا ہو گا۔ اس کے بغیر تمہاری آشائیں پوری نہیں ہوں گی۔"

"گویا فی الحال تم مجھے دلاسہ دینے کے علاوہ میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"نراش مت ہو شہباز۔ اپنی کاکا رانی پر وشواس رکھو، آج جو کالے بادل منڈلا رہے ہیں وہ کل نہیں رہیں گے۔"

"ایک بات پوچھوں کاکا۔" میں نے صندلی انگوٹھی کی جانب کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے ذہن میں داور کا انجام رقص کر رہا تھا۔

"پوچھو۔"

"کیا تم مجھے اپنے درشن نہیں دو گی؟"

"آج نہیں، پھر کبھی سہی۔"

"کیوں؟ آج کیوں نہیں؟"

"آج میں اس روپ میں نہیں ہوں جس سندر روپ میں تم اپنی کاکا رانی کو دیکھنا چاہتے ہو۔" کاکا کے لہجے میں معمولی سی گھبراہٹ بھی تھی۔

"میں نے تمہیں اس روپ میں بھی پسند کیا تھا جب تم نے ناگن کی شکل اختیار کرکے شنکر کو میرے راستے سے ہٹایا تھا۔" میں نے کاکا کے لہجے کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے مجبور نہ کرو شہباز۔ آج میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی۔"

"کوئی خاص وجہ؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر سوال کیا۔

"ہاں۔ تم نے اپنے من مندر میں جس مورتی کو سجا رکھا ہے میں اسے جان بوجھ کر ختم نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"اس سے میں تمہیں سمجھا بھی نہیں سکتی۔" کاکا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں جا رہی ہوں، لیکن بہت جلد واپس آؤں گی۔"

"کاکا۔" میں نے اسے کئی بار آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ شاید وہ جا چکی تھی۔ میرے ذہن میں متعدد سوالات کلبلانے لگے۔

کیا کاکا کو میرے ارادے کا علم ہو گیا تھا کہ میں صندلی انگوٹھی کی کرامت کو اس پر آزمانا چاہتا تھا؟

"لیکن اگر وہ میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے سے قاصر تھی تو پھر وہ کون سا شبہ تھا جس نے اسے میرے سامنے ظاہر ہونے سے باز رکھا تھا؟"

کیا میرا خیال درست تھا کہ کاکا، موہنی اور لیڈی مکلارنس ایک ہی شخصیت کے تین مختلف روپ ہیں؟

کاکا کو اتنی جلدی میں جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی؟

میرا گھر قریب آ رہا تھا۔ کاکا کے سلسلے میں میرے ذہن میں مختلف شبہات ابھر رہے تھے لیکن قبل اس کے کہ میں کسی آخری نتیجے پر پہنچ سکتا۔ اجنا کے قبیل سے تعلق رکھنے والے اسی نادیدہ میاں کی آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی جسے کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت پر مامور کیا تھا۔

"میرے عزیز۔ جتنی جلدی ممکن ہو گاڑی سے اتر کر دور بھاگنے کی کوشش کرو۔"

"کیوں۔ کیا مجھے کوئی خطرہ درپیش ہے۔" میں نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں۔ تمہارے دشمنوں نے تمہاری تباہی کے لیے ایک جال بچھایا ہے۔"

"کوئی ٹائم بم؟"

"وقت ضائع مت کرو میرے عزیز ورنہ شاید تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"میاں صاحب (سفید ریش کمبل پوش بزرگ) شاید مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟" میں نے گاڑی کو تیزی سے سڑک کے کنارے روکتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تمہارے سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں اللہ کے اس برگزیدہ بزرگ کی خوشی کی خاطر اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"

aazzamm@yahoo.com

"مضطرنہ کرو میرے عزیز، اگر دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تو میں پیر و مرشد کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ کان کے پردے پھاڑ دینے والا ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ کار کے ٹکڑوں کے ساتھ میں بھی فضا میں بکھر گیا تھا، پھر کیا ہوا؟ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو سکا، میرا ذہن گھپ اندھیروں میں ڈوب گیا۔

٭

ایک بار پہلے بھی میرے ساتھ کچھ ایسا ہی حادثہ پیش آچکا تھا لیکن اس وقت میں قسمت سے زندہ بچ گیا تھا لیکن اس بار شاید میں موت کی ابدی نیند سو چکا تھا۔ زندگی اور موت کے درمیان اس قسم کی آنکھ مچولی کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔ کبھی کوئی مزدور کسی زیر تعمیر عمارت کی آٹھویں منزل سے گرتا ہے اور اسے معمولی سی خراش بھی نہیں آتی اور کبھی اجل کا سرہانا چلتے چلتے کسی راہ گیر کی گردن پر اپنی گرفت اچانک اس قدر مضبوط کرتا ہے کہ کسی سے مدد مانگے بغیر وہ زمین پر گرتا ہے اور اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔

مجھے اپنی موت کا یقین اسی وقت آچکا تھا جب خوفناک دھماکے سے میری گاڑی کے پرزے فضا میں بکھر گئے تھے۔ میں کسی ربر کی بے جان گیند کی مانند اچھلا تھا پھر میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ مجھے اپنی موت کا غم نہیں تھا لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ میں اپنے دشمنوں سے خاطر خواہ انتقام نہیں لے سکا۔ میری موت کی خبر سن کر وہ یقیناً خوش ہوئے ہوں گے۔ موہنی کی گندی آتما کو قرار آگیا ہوگا لیکن اپنی موت میں خود میرا بھی کچھ حصہ تھا۔ کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت کے لیے اجناء کے قبیلے سے جس نیک دل بزرگ دل کا انتخاب کیا تھا اس نے بروقت مجھے پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ میرے ذہن میں ابھی تک اس کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"میرے عزیز۔ جتنی جلدی ممکن ہو گاڑی سے اتر کر دور بھاگنے کی کوشش کرو۔"

"وقت ضائع مت کرو ورنہ شاید تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ مل سکے۔"

"اگر دشمن اپنی چال میں کامیاب ہو گئے تو میں پیر و مرشد کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

لیکن میں اس کی باتوں پر عمل کرنے کی بجائے اس سے بحث میں الجھ گیا تھا۔ میں نے اس سے میاں صاحب کی ناراضگی کا سبب دریافت کیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اسے میرے اس سوال کا جواب دینے کی اجازت نہیں ہے اور پھر وہ ہولناک حادثہ پیش آگیا جس کی نشاندہی کی گئی تھی۔

مرنے کے بعد بھی شاید میری روح اسی دنیا میں بھٹک رہی تھی۔ میں اس حادثے کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا۔ وہ کسی ٹائم بم کا دھماکا ہی تھا جس نے دنیا سے میرا تعلق منقطع کر دیا تھا لیکن وہ بم میری گاڑی میں کس طرح آگیا؟" میں نے سوچا۔ "شاید اس وقت جب میں ندیم سے اس کے آفس میں بیٹھا گفتگو میں مصروف تھا میرے کسی دشمن نے موقع پا کر وہ آتشی گیر مادہ میری گاڑی میں کہیں خفیہ طور پر فٹ کر دیا ہوگا؟ مگر دشمن کا کوئی آدمی میری گاڑی تک کس طرح پہنچنے میں کامیاب ہو گیا؟ جہاں میں نے گاڑی کھڑی کی تھی وہ حصہ عقب کی جانب تھا اور صرف ندیم کی گاڑیوں کے لیے مخصوص تھا۔ اس حصے میں باقاعدہ ندیم کے خفیہ محکمے کے افراد تعینات رہتے تھے تاکہ کوئی اس قسم کی سازشی کارروائی نہ کر سکے جس کا میں شکار ہوا تھا۔

"موہنی۔" میرے تصور میں موہنی کا مکروہ نام گونجا۔ یقیناً اسی نے اپنی پلید طاقت کے ذریعے سے ندیم کے کسی آدمی کو ٹریپ کیا ہوگا جس نے بیہوشی کے عالم میں موت کے اس خطرناک ڈرامے کو رچانے میں موہنی کا ساتھ دیا ہوگا۔ موہنی کی گندی قوت میرے اور ندیم کے سلسلے میں کچھ کرنے سے قاصر تھی لیکن میری کسی شخصیت کو اپنی کالی طاقت کے جال میں پھانسنا اس کے لیے کوئی دشوار نہیں تھا۔ قدیر کی صورت میں اس کی گندی قوت کا تماشا دیکھ چکا تھا۔ اس وقت بھی کسی غیبی قوت نے میری مدد کی تھی۔ صندل اور لوبان کا ایک جھونکا میرے دفتر میں داخل ہوا تھا اور وہ طلسم ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا جو قدیر کے دل و دماغ پر مسلط تھا۔

"شہباز۔"

ندیم کی آواز میرے کانوں میں گونجی تو میں تڑپ اٹھا۔ شاید وہ میری روح کو آواز دے رہا تھا لیکن میں اس کی آواز سن سکتا تھا لیکن کوئی جواب دینے کے قابل نہیں تھا۔

"شہباز۔ میرے دوست۔ آنکھیں کھولو، خدا کا بڑا کرم ہے کہ وہ تم معجزاتی طور پر بچ گئے ورنہ....." ندیم نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا مگر اس بار اس نے جو کچھ کہا تھا اس سے مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ میں مرا نہیں زندہ ہوں۔

"میرا خیال ہے آپ انہیں فی الحال آرام کرنے دیں۔" ایک اور آواز میری قوت سماعت سے ٹکرائی۔ "ہو سکتا ہے کہ حادثے کی دہشت ابھی تک ان کے ذہن پر مسلط ہو۔"

"ڈاکٹر۔" ندیم نے پریشانی سے سوال کیا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ میرے دوست کو کوئی اندرونی چوٹ تو نہیں آئی جس کی وجہ سے۔"

"آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "ہم ہر طرح سے امتحان کر چکے ہیں۔ آپ کے دوست حیرت انگیز طور پر اس حادثے سے بالکل محفوظ رہے ہیں۔"

میں شاید مرا نہیں بلکہ زندہ تھا اور کسی ہسپتال میں تھا۔



ندیم اور ڈاکٹر کی گفتگو نے میرے اور موت کے درمیان ایک خوشگوار تلخ پیدا کر دی تھی۔ میں نے آہستہ سے اپنے ہاتھوں کو جنبش دی۔ مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ میں نے آنکھ کھول کر دیکھا۔ ندیم اور ڈاکٹر کے علاوہ ایک خوبصورت سی نرس بھی میرے بستر کے قریب موجود تھی۔

"شہباز۔" ندیم مجھے آنکھیں کھولتے دیکھ کر خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ "خدا کا شکر ہے کہ تم ہوش میں آگئے۔"

"میں اب چلتا ہوں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "صرف رات رات کی بات ہے، صبح ہم دوبارہ معائنہ کریں گے اس کے بعد آپ اپنے دوست کو گھر لے جا سکتے ہیں۔"

"تھینکس ڈاکٹر۔" ندیم نے بڑی گرم جوشی سے کہا پھر ڈاکٹر اور نرس کے جانے کے بعد بولا۔ "میں نے منت مانی تھی کہ اگر تم بچ گئے تو سو غریبوں میں کھانا تقسیم کروں گا۔"

"تم اور ۔۔ منت۔" میں نے مدھم آواز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا، میری قوت آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھی۔

"کیوں۔ کیا میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"ہو تو سہی لیکن۔ تمہارے ساتھ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا مسئلہ ہے۔"

"باتیں کم کرو۔ تمہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔"

"تمہیں حادثے کی اطلاع کس طرح ہوئی تھی؟" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"حادثے کی اطلاع بھی مجھے میرے اسی کارندے نے دی تھی جس نے تمہاری گاڑی میں پلاسٹک بم فٹ کیا تھا۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیا۔" میں حیرت سے چونک اٹھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" ندیم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس کا بیان ہے کہ ایک خوبصورت اور حسین عورت نے اسے اس تخریبی کارروائی پر مجبور کیا تھا اور وہ اس کی خوبصورتی میں اتنا گم ہو گیا کہ اس کی خواہش کی تکمیل سے انکار نہ کر سکا۔ پھر وہ عورت یکلخت اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی ایک کہ بعد وہ خود بھی بھول گیا تھا کہ وہ ایک خطرناک سازش کا شکار ہو چکا ہے۔ دوسری بار اسے اس وقت اپنی حماقت کا احساس ہوا جب اسی عورت کی آواز نے اسے تمہیں پیش آنے والے حادثے کی اطلاع دی اور حکم دیا تھا کہ اس کی اطلاع مجھ تک پہنچا دی جائے۔"

"موہنی۔" میں نے مختصراً اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ہو سکتا ہے وہی ہو۔"

"تمہارے آدمی کا کیا بنا؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا تم نے اسے مار دیا؟"

"پہلے تو فوری طور پر یہی خیال میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ اس غدار کے جسم کو گولیوں سے چھلنی کر دوں لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ مجھے بس اچانک ہی موہنی کی کمینگی کا خیال آگیا۔" ندیم نے سرد لہجے میں کہا۔ "ایک طرف اس نے تم کو اپنی گندی قوت کا نشانہ بنانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اس کی یہ چال تھی کہ میرے ایک کارندے کو میرے ہی ہاتھوں جہنم رسید کرا دے۔"

"مجھے ہسپتال کون لایا تھا؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر کا بیان ہے کہ وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔"

"اب وہ کہاں ہے؟"

"ہسپتال کے عملے کو بھی اسی کی فکر لاحق ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "تمہارا کیس ایمرجنسی کا تھا اس لیے وہ سب تمہاری طرف متوجہ ہو گئے تھے پھر تمہاری جانب سے اطمینان ہو جانے کے بعد انہیں بوڑھے کا خیال آیا لیکن وہ تمہیں داخل کرانے کے بعد وہاں موجود نہیں تھا۔"

"اور تمہیں اس ہسپتال کا علم کس طرح ہوا؟" میں نے کمبل پوش بزرگ کے بارے میں سوچتے ہوئے سوال کیا۔

"اس ہسپتال کی نشاندہی بھی میرے اسی آدمی نے کی تھی جو موہنی کی سازش کا شکار ہوا تھا۔"

میں جواب میں مسکرایا تو ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہاری مسکراہٹ کا مطلب سمجھ رہا ہوں، لیکن پریشان مت ہو۔ اب موہنی یا تمہاری کالا راجہ کی پلید قوتیں دوبارہ میرے کسی آدمی کو اپنا غلام نہیں بنا سکیں گی۔"

"کیا مطلب۔" میں نے تعجب سے ندیم کو دیکھا۔ "کیا تم بھی کسی ایسے کالے علم کے ماہر ہو جو اپنے کارندوں کو ناقابل تسخیر بنا دو گے۔"

"تم نے سراج یا بہرام کے بارے میں کچھ دریافت نہیں کیا۔" ندیم نے بڑی خوبصورتی سے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "سراج نے بہرام کی لاش دستیاب کر لی ہے لیکن اس کے فلیٹ کی تلاشی کی حسرت اس کے دل میں ہی رہ گئی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"مجھے یقین ہے کہ بہرام کے فلیٹ میں کہیں کچھ ایسے ثبوت بھی موجود تھے جو اگر تمہارے سراج صاحب کے ہاتھ لگ جاتے تو پھر بورشن جوزف کی گردن قانون کے شکنجے میں پھنس سکتی تھی لیکن موہنی یا پھر تمہاری کالا راجہ کو یہ منظور نہیں تھا۔"

"کیا مطلب۔"

"لاش دستیاب ہونے کے بعد مسٹر سراج اور ان کے کارندوں نے ضروری کارروائی کے بعد بہرام کے اکڑے ہوئے

aazzamm@yahoo.com

جسم کو پوسٹ مارٹم کے لیے روانہ کر دیا تھا پھر وہ فلیٹ کی تلاشی لینا چاہتے تھے کہ اچانک فلیٹ میں آگ بھڑک اٹھی اور سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس آگ کے شعلوں سے قرب و جوار کے کسی فلیٹ یا اس کے مکینوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔"

"سراج کا کیا خیال ہے۔"

"سنا ہے وہ بوکھلائے بوکھلائے پھر رہے ہیں۔" ندیم نے بے پروائی سے کہا۔ "بہرام کی لاش کی دستیابی ان کے لیے ایک بڑا اعزاز ہے لیکن فلیٹ میں ہونے والی آتش زدگی نے ان کی تمام خوشی ملیامیٹ کر دی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کچھ ایسا ہی حادثہ اس مریض کے ساتھ بھی درپیش آ جائے جو بھوشن کے لیے ناجائز تجارت کے کاروبار میں ملوث ہے۔" میں نے ایک امکانی خدشے کا اظہار کیا۔

"نہیں۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔" ندیم نے پر اعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"اس یقین کی وجہ۔" میں نے ندیم کو کریدنا چاہا۔

"تم اسے میری خود اعتمادی بھی سمجھ سکتے ہو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں اس مریض کے اطراف ایسا جال بن دوں گا کہ گندی قوتیں اس کا حصار نہیں توڑ سکیں گی۔ بھوشن کی خوش قسمتی ہی سمجھو کہ یہ خیال مجھے پہلے نہیں آیا ورنہ بہرام کے فلیٹ میں آگ کے شعلے بھی نہیں بھڑک سکتے تھے۔"

"ندیم۔ ایک بات پوچھوں۔" میں نے اسے بغور گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون سی روحانی قوت ہے جو تمہاری مدد کر رہی ہے۔"

"میرا ایمان۔ خدا کے وجود پر میرا یقین اور اپنی مقدس کتاب کی ان آیات پر مکمل بھروسا جو ہر مرض کا موثر علاج ہوتی ہیں۔ بس اعتقاد شرط ہے۔" ندیم کے لہجے میں ایک عجیب سی نور کی روشنی موجود تھی۔ اس کی آنکھیں روشن چراغ کے مانند جھلملا رہی تھیں۔

"یہ۔ تم بول رہے ہو۔" میں نے ندیم کو حیرت سے دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے سراج صاحب کو ابھی تک اس حادثے کی اطلاع نہیں ملی ورنہ وہ بھاگے چلے آتے۔" ندیم پھر اپنے موڈ میں آ کر بولا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک بہرام کے فلیٹ کی تلاشی میں ناکامی کا سوگ منا رہے ہوں۔"

"کیا تم نے مریض کے آنے کی مکمل تفصیل سراج کو بتا دی ہے۔"

"اتنی جلدی کیا ہے۔ ابھی تو پورے چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔"

ہم بڑی دیر تک بھوشن جوزف کے موضوع پر بات کرتے رہے پھر نرس نے آ کر مجھے سکون کی خاطر نیند کا انجکشن دیا تو ندیم صبح آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ ندیم کے جانے کے بعد بھی میں حالات کی پیچیدگیوں میں الجھا رہا۔ بہرام کے فلیٹ میں لگنے والی آگ یقیناً انہیں مافوق قوتوں کی شرارت تھی جو میرے اوپر عرصہ حیات تنگ کر دینے کا بیڑا اٹھا چکی تھیں۔ وہ میرے دشمنوں کے لیے کام کر رہی تھیں پھر بھلا ان کے خلاف کسی دستاویزی ثبوت کے وجود کو کیسے برداشت کر سکتی تھیں؟

میں خاصی دیر تک موہنی اور کول ورما کے بارے میں سوچتا رہا پھر یکلخت میرے ذہن میں کالکا کا تصور ابھرا۔ آخری ملاقات میں میں نے اسے سامنے آنے پر مجبور کیا تھا لیکن وہ گریز سے کام لیتی رہی۔ مجھے ٹالتی رہی۔ بہلاتی رہی پھر میرا اصرار بڑھا تو وہ دیوی دیوتاؤں کی پراسرار باتیں کرنے لگی اور اس کے بعد وہ اچانک رخصت ہو گئی تھی۔ شاید وہ میرے سوالات سے گھبرا کر پہلو بچانا چاہتی تھی یا پھر اجاڑ کے قبیل سے تعلق رکھنے والے بزرگ کی آمد کا نتیجہ تھا جس نے اسے چلے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

میرے ذہن پر آہستہ آہستہ نیند کے انجکشن کا خمار طاری ہو رہا تھا۔ میری آنکھ کے پپوٹے بوجھل ہونے لگے تھے۔ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ تازہ دم ہونے کے لیے آرام کرنا میرے لیے موثر ثابت ہو سکتا تھا۔ میں نے ایک طویل جماہی لی پھر کروٹ لے کر آنکھیں بند کر لیں۔ نیند کی آغوش میرے لیے کشادہ ہو رہی تھی۔ ذہن کے سوچنے اور غور و فکر کی قوتیں آہستہ آہستہ معدوم ہو رہی تھیں۔

مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ اس وقت میں جاگ رہا تھا یا نیند کی شدید کیفیتوں سے دوچار تھا جب کالکا کی مانوس آواز نے مجھے میرا نام لے کر پکارا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں اس وقت محبت کی آمیزش یا پیار اور جذبوں کی چاشنی نہیں تھی۔ وہ لہجہ بے حد سرد اور سفاک تھا۔

پھر میں نے کالکا کو دیکھا جو میرے بستر کے قریب کچھ فاصلے پر ایسے بھیانک روپ میں کھڑی تھی کہ میرے جسم میں سردی کی ایک لہر سرایت کر گئی۔ اس کی خوفناک آنکھوں سے بھیانک شعلے لپک رہے تھے۔

اس کریہہ منظر کو دیکھ کر میں نے اپنی نگاہیں پھیرنی چاہیں لیکن میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ جیسے کسی نادیدہ قوت نے مجھے جکڑ کر بے بس کر دیا تھا۔ اس حد تک کہ میں اپنی پلکیں بھی جھپکانے سے قاصر تھا۔

کالکا کا وہ روپ اس قدر مکروہ اور ناقابل برداشت تھا کہ مجھے ابکائی سی آنے لگی۔ اس وقت کالکا کے جسم پر مجھے دو کے بجائے چھ یا شاید آٹھ ہاتھ نظر آ رہے تھے اس نے اپنے ایک ہاتھ میں ننگا خنجر پکڑ رکھا تھا۔ اس کے دونوں کاندھوں پر جیسے دو خطرناک ناگ اگ آئے تھے جو ہوا میں پھن کاڑھے لہرا رہے تھے۔ ان کی زبانیں بار بار منہ سے باہر نکل کر لپلپا رہی تھیں اور ہولناک نگاہیں میرے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔ کالکا کے ہونٹوں پر



گاڑھا گاڑھا خون پھیلا ہوا تھا جیسے وہ کسی کا خون پی کر آئی ہو۔ اس کی نگاہوں سے شعلے لپک رہے تھے۔ اس کی رنگت الٹے توے سے بھی زیادہ سیاہ نظر آ رہی تھی۔ سر پر بالوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے بچھو ڈنک اٹھائے ادھر ادھر رینگتے پھر رہے تھے۔

میں دم بخود کالکا کے اس ہولناک روپ کو دیکھنے پر مجبور تھا۔ میرا جسم پسینے سے شرابور ہو رہا تھا پھر اچانک کالکا نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔ اس کے دانت ڈریکولا کی طرح لمبے لمبے بے ہنگم اور نوکیلے تھے۔ مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

"شہباز خان۔" کالکا کی مکروہ آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "اس طرح آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"کالکا۔" میں نے سسکی سی آواز میں جواب دیا۔ "یہ۔۔۔ یہ تم ہو۔۔۔ یا میں کوئی پریشان خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"میں کوئی سپنا نہیں حقیقت ہوں۔"

"لیکن تمہارا یہ روپ۔۔۔ کیا تم میری خاطر اپنا روپ نہیں بدل سکتیں۔" میں نے التجا کی۔

"کیوں؟" اس نے خون آلود ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم تو میرے پریمی ہو شہباز خان اور پریمی جسے چاہتا ہے اسے من کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ رنگ و روپ اور شریر کا سچے پیار کے آگے کوئی مول نہیں ہوتا۔"

"مگر تم اس روپ میں میرے سامنے کیوں آئی ہو؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

"کیول تمہیں یہ بتانے کی خاطر کہ کالکا اگر تمہیں پیار کر سکتی ہے تو تمہارا خون بھی پی سکتی ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ تم کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔" وہ حقارت سے بولی۔ "یہ سچ ہے کہ میں تمہارے من کے اندر نہیں جھانک سکتی لیکن ابھی میرے پاس اتنی شکتی موجود ہے کہ میں خطرے کی بو سونگھ سکوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش مت کرو۔" وہ مجھے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے حادثے سے پہلے میرا روپ دیکھنے کی آشا کیوں کی تھی؟"

"اس لیے کہ مجھے تمہارا وہ روپ پسند ہے۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "اس سے پہلے بھی میں تم سے کئی بار درخواست کر چکا ہوں۔"

"تم۔۔۔ میرے سندر شریر کو چھونا چاہتے ہو۔ میرے انگ انگ سے اپنے من کی پیاس بجھانا چاہتے ہو۔ کیوں؟"

"ہاں۔" میں نے اقرار کیا۔ "میں تمہارے وجود کا یقین کرنا چاہتا ہوں۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ گرج اٹھی۔ "حادثے سے پہلے تمہارے من میں اپنی کالکا رانی کے لیے پیار نہیں بلکہ کھوٹ تھا۔ تم داور کی طرح مجھے بھی اپنی کسی شکتی کے زور سے جلا کر راکھ کر دینے کے سپنے دیکھ رہے تھے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گنگ سا رہ گیا۔ شاید اس لیے کہ کالکا اپنے جس شبہے کا اظہار کر رہی تھی وہ غلط نہیں تھا۔ "تم کیول ایک منش ہو شہباز خان۔" وہ بدستور مجھے حقارت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "دھرتی پر کسی نالی میں رینگنے والے اس کیڑے کی طرح جسے کوئی بھی اپنے پیروں تلے مسل کر ختم کر سکتا ہے۔ تم کالکا اور اس کی مہان شکتیوں کا مقابلہ کرنے کا دھیان اپنے من سے کھرچ کر پھینک دو ورنہ بہت گھاٹے میں رہو گے۔"

"کالکا۔" میں نے جواب میں کچھ بہانہ تراشنے کی کوشش کی لیکن اس نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔

"میرے ساتھ چھل کپٹ سے کام لینے کی کوشش مت کرو۔ میں چاہوں تو آنکھ کے ایک اشارے سے تمہیں جلا کر بھسم کر سکتی ہوں۔ پرنتو میں من کے آگے مجبور ہوں۔ میں نے تم سے پیار کیا ہے۔ اس لیے تمہیں اس سے شما کر رہی ہوں لیکن ایک بات دھیان میں رکھنا۔ اگر تم نے دوبارہ بھی اپنی کالکا رانی کو دھوکا دینے کی کوشش کی تو وہ تمہارے جیون کا آخری دن ہوگا۔"

اس بار کالکا کے لہجے میں نرمی تھی۔ میں نے جلدی سے اس نرمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے مارنے کے لیے میرے دشمن ہی بہت ہیں۔ اگر تم نے بھی مجھ سے منہ موڑ لیا تو میں بالکل بے بس ہو جاؤں گا۔"

"نہیں۔" وہ بڑے یقین سے بولی۔ "جب تک کالکا تمہارے ساتھ ہے کوئی شکتی تمہیں جان سے نہیں مار سکتی۔"

"لیکن وہ حادثہ۔۔۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "کیا دشمنوں نے وہ چال مجھے ختم کر دینے کے لیے چلی تھی؟"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے شہباز۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "موہنی کی پلید آتما نے تمہارے متر (دوست) کے ایک آدمی کے دماغ پر قبضہ کر کے تمہیں موت کے گھاٹ اتارنے کی چال چلی تھی لیکن تم بچ گئے۔"

"اس لیے کہ شاید ابھی میری زندگی کے کچھ دن اور باقی ہیں۔" میں نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"نہیں تم کالکا کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے۔" وہ پھر نفرت سے بولی۔ "تمہیں بچانے میں اسی شکتی کا ہاتھ ہے جو اس سے پہلے بھی تمہاری سہائتا کر چکی ہے۔"

"تم۔۔۔ میں ایسی کسی طاقت سے واقف نہیں ہوں۔" میں نے پھر دھوکے سے کام لیا۔ "ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن۔"

"جس سمے تمہیں وہ حادثہ پیش آیا تھا اس سمے میں تم سے دور نہیں تھی۔ اگر کوئی اور شکتی تمہاری رکھشا نہ کرتی تو میں

aazzamm@yahoo.com

تمہیں بچا لیتی۔"

"میں نے تمہیں آوازیں بھی دی تھیں لیکن تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" میں نے شکوہ کیا۔

"میں نے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا۔" کاکا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "حادثے سے پہلے موہنی کی شکتی تمہارے اوپر اپنا منتر کر چکی تھی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے وہاں میری موجودگی کی خبر ہو۔ اگر ایسا ہو جاتا تو شاید اس کا وار خالی نہ جاتا۔"

"کیا تم موہنی کی مہان شکتی کے سامنے آنے سے ڈرتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"تم ان باتوں کا کھوج لگانے میں اپنا سمے مت برباد کرو۔" وہ بڑی گمبھیر آواز میں بولی۔ "سمے کا انتظار کرو۔ دھیرج سے کام لو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اگر اس سے پہلے موہنی یا میرے کسی اور دشمن کی چال کامیاب ہو گئی تو۔۔۔"

"وہ تمہیں تھوڑا بہت کشٹ ضرور دے سکتے ہیں مگر جب تک کاکا کی چھایا تمہارے ساتھ ہے وہ تمہیں جان سے نہیں مار سکتے۔"

"کاکا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تم مجھے یہ بتا سکتی ہو کہ موہنی اور کومل ورما کا کیا چکر ہے؟"

"پانڈے نے تم سے غلط نہیں کہا تھا کہ کومل ورما اب بھی اس کے دفتر میں کام کر رہی ہے اور وہ پانڈے کے علاوہ کسی اور کو نظر نہیں آتی لیکن یہ سب نگاہوں کا فریب ہے۔ وہ جو کومل ورما کا روپ دھارے ہے وہ کوئی اور ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔ "کیا کسی دوسری آتما نے کومل ورما کے جسم پر قبضہ جما لیا ہے؟"

کاکا جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اچانک اس کی نگاہوں میں خوف کی پرچھائیاں لرزنے لگیں پھر پل بھر میں وہ اپنے مکروہ وجود کو سمیٹ کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اسی لمحے کمرے میں ایک اور نسوانی قہقہے کی آواز گونجی۔ میں نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر دیکھا۔ وہ موہنی تھی۔ وہی موہنی جسے ماسٹر ٹونی نے میرے اشارے پر کومل ورما سمجھ کر اغوا کیا تھا اور اب اس کی اذیت ناک سزا بھگت رہا تھا۔ شاید کاکا نے موہنی کی آمد کو محسوس کر لیا تھا اسی لیے وہ درمیان سے ہٹ گئی تھی۔ اس نے مجھے باور کرایا تھا کہ جب تک اسے اس کی کھوئی ہوئی شکتی واپس نہیں مل جاتی وہ موہنی کے سامنے آنے سے قاصر ہے۔

"تم نے دیکھا شہباز خان۔ تمہاری کاکا رانی میری ہوا پا کر ہی نو دو گیارہ ہو گئی۔" موہنی نے فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا نا کہ کاکا مجھ سے ٹکرانے کی ہمت نہیں کرے گی۔"

"موہنی۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ تم نے میرے بے گناہ باپ کو مار ڈالا۔ میری ماں بھڑکتی آگ کے شعلوں میں جھونکنے کی کوشش کی۔ ٹونی کو زندگی کے لیے معذور کر دیا۔ آخر کیوں؟"

"زنجن لال کی موت کے بارے میں تم کیا جواب دو گے؟" وہ نفرت سے بولی۔ "کومل ورما کے سندر شریر کو تم نے خود اپنے گندے ہاتھوں سے چھلنی کیا تھا۔ اس کی ماں بھی نردوش تھی لیکن تمہارے منتر نے اسے مکان کے ساتھ ہی بھسم کر کے رکھ دیا تھا۔"

"لیکن شروعات ہماری جانب سے نہیں ہوئی تھی۔" میں نے جواز پیش کیا۔ "دشمنی کی ابتدا شنکر نے کی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مگر تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ شنکر اور پنڈت جیسی دھر مہاراج بھی ہمارے ہی دھرم کے آدمی تھے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"فی الحال اتنا سمجھ لو کہ اگر کوئی پنچھی اپنی ڈار سے بچھڑ جائے تو بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ اسی کارن بدھی مانوں نے کہا ہے کہ منش کو ذات پات کے ساتھ گٹھ جوڑ رکھنا ضروری ہے۔" اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس ملک سے اپنا کاروبار سمیٹ کر کہیں اور چلا جاؤں۔"

"ہاں مگر تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔"

"میں اپنی ماں کی خاطر اب تمہاری شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"اب سمے بیت چکا ہے شہباز خان۔" موہنی نے تلخ لہجہ اختیار کیا۔ "اب تمہارے بوریا بستر گول کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہم نے تمہیں گھیر کر مارنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں چاہوں تو اس سمے بھی تمہارا کریا کرم کر سکتی ہوں لیکن مہان شکتیوں نے تمہارے لیے تڑپ تڑپ کر مرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اب اس فیصلے کو کوئی شکتی نہیں ٹال سکتی۔ اذیت ناک موت مرنا تمہارے بھاگ میں لکھا جا چکا ہے۔"

"پھر اب تک تم نے براہ راست میرے اوپر حملہ کیوں نہیں کیا؟" میں ہمت کر کے بولا۔ "ہمارے بے قصور کارندوں کو نقصان پہنچانے سے تمہیں کیا حاصل ہو گا؟"

"من کی شانتی۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم جیسی شکتیوں نے ابھی تک مجھے یا میرے منتر کو اپنی پلید شکتیوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" میں نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے سلسلے میں لاچار ہو۔ تمہارے دیوی اور دیوتا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" موہنی نے ہونٹ چباتے ہوئے



نفرت سے جواب دیا۔ "ابھی ہم تم دونوں کے خلاف اپنی کوششوں میں سپھل (کامیاب) نہیں ہوئے ہیں لیکن ہم نراش بھی نہیں ہیں۔ وہ سمے بھی بہت جلد آئے گا کہ تم ہمارے چرنوں پر لوٹ لوٹ کر جیون کی بھکشا مانگو گے اور ہم تمہیں شما نہیں کریں گے۔ تمہیں اور تمہارے منتر کو کالی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھا کر اپنی جیت کا جشن منائیں گے۔"

"تم شاید جاگتے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔"

"کل کا انتظار کرو۔" وہ سرد لہجے میں بولی۔ "تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ کون دھرتی پر گھٹنے ٹیکنے کو مجبور ہوتا ہے۔"

"میں کل کا انتظار کرنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"آج کے بعد ہماری جنگ صرف ایک دوسرے کی حد تک محدود رہے گی۔ ہم ایک دوسرے کے نردوش لوگوں کا خون نہیں بہائیں گے۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے فیصلہ کن آواز میں جواب دیا۔ "ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی خاطر یدھ (جنگ) میں کوئی بھی ہتھیار استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"لیکن۔۔۔"

"میں جا رہی ہوں شہباز خان۔" اس نے زمین پر تھوکتے ہوئے بڑی سرد مہری سے کہا۔ "اب ہماری تمہاری جنگ دھرم کی جنگ ہو گی۔ کون جیتے گا کون ہارے گا اس کا فیصلہ آنے والا سمے کرے گا لیکن ایک بات اپنے من سے نکال دو۔ دھرم کی اس فیصلہ کن جنگ میں تمہاری کاکا کی کوئی شکتی تمہارے کام نہیں آ سکے گی۔"

پھر وہ بھی میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ مافوق قوتوں کی مکروہ صورتیں میری نگاہوں کے سامنے کسی کے سینما سلائیڈ کی طرح آتیں پھر اوجھل ہو جاتیں۔ کاکا نے میرے سامنے آکر خفگی کا اظہار کیا تھا۔ شاید وہ مجھے اپنی قوتوں سے مرعوب کرنا چاہتی تھی جو اتنا بھیانک روپ اختیار کر کے میرے سامنے آئی۔ اسے میرے دل کا حال نہیں معلوم ہو سکا تھا لیکن اسے شبہ ہو گیا تھا کہ میں نے حادثے سے قبل سامنے آنے کی دعوت کیوں دی تھی؟ اس نے مجھے اپنی طاقت کا احساس بھی دلا دیا تھا لیکن موہنی کے سامنے آنے سے پیشتر ہی وہ غائب ہو گئی تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ موہنی کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

میں بدستور ساکت و جامد اپنے بستر پر ان گندی قوتوں کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ ایک اور نسوانی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ میں نے چونک کر نظر کا زاویہ تبدیل کیا تو وہاں کومل ورما اپنے حسن و شباب کی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھی۔

اس کی آنکھوں میں ایک فاتحانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ اس مسکراہٹ میں ایک گہرا طنز بھی چھپا تھا۔

"کیوں شہباز خان۔" اس کے لبوں کو جنبش ہوئی تو فضا میں جیسے مندر کی گھنٹیوں کی آواز گونج اٹھی۔

"ہاں۔۔۔ تم۔" میں نے اسے حیرت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں کہ اس سمے تمہاری عقل کام نہیں کر رہی ہو گی۔" اس کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "تم نے تو مجھے میری خواب گاہ میں چوہوں کی طرح چھپ کر گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ مجھے دوبارہ اسی روپ میں دیکھ کر تم حیران ہو گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ایک لمحے تک مجھے گھورتی رہی پھر اس کے خوبصورت ہونٹوں کو دوبارہ جنبش ہوئی۔

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں۔"

"کیا؟"

"تم تو خود قانون کے محافظ تھے پھر تم نے میرے اوپر وہ انیائے (ظلم) کیوں کیا تھا۔"

"موہنی اور تمہاری اصلیت جاننے کی خاطر۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر کیا کھوج لگایا تم نے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ تم دونوں ایک ہی وجود کے دو مختلف روپ ہو۔"

"نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "موہنی میری بڑی بہن ہے۔ ہاں ہم دونوں کی شکلیں اتنی ملتی جلتی ہیں کہ اکثر سورگ باشی ماتا جی بھی دھوکا کھا جاتی تھیں۔ ماتا جی یاد ہیں نا تمہیں! وہی جنہیں تمہارے دوست کے ساتھیوں نے مکان کے ساتھ جلا ڈالا تھا۔"

"لیکن تم نے تو کہا تھا کہ تمہاری کوئی بہن نہیں ہے۔" میں نے اس کے آخری جملے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

"میں نے جھوٹ بولا تھا۔" وہ نفرت سے بولی۔ "موہنی مجھ سے بڑی ہے۔ اس نے کسی کارن گھر چھوڑ دیا تھا اور نہیں چاہتی تھی کہ دنیا والے ہمارے سمبندھ سے واقف ہو سکیں۔ اسی مجبوری کی وجہ سے اس نے مجھے اور ماتا جی دونوں کو منع کر دیا تھا کہ پولیس کو بھی بات سے دور رکھا جائے۔"

"کیا قانون کی نظروں میں دھول جھونکنا تمہارے نزدیک کوئی جرم نہیں ہے۔"

"پاپ اور پن کے چکر میں مت پڑو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "تمہیں مکتی مل سکتی ہے۔ مجھے وشواس ہے کہ موہنی دیدی میری بات ضرور مان لیں گی۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"میں تمہیں صرف دو دن کا سمے اور دلوا سکتی ہوں۔" اس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اس عرصے میں تم اپنی ماتا اور حر

aazzamm@yahoo.com

دونوں کو ساتھ لے کر کہیں دور چلے جاؤ۔ ہماری اس پوتر جنم بھومی سے بہت دور۔"

"اور اگر میں انکار کردوں تو......؟"

"یہ تمہارے جیون کی سب سے بڑی بھول ہوگی۔" اس کا لہجہ سفاک ہوگیا۔ "تم نے مجھے مار ڈالا تھا لیکن میں اب بھی تمہارے سامنے اپنے پیروں پر کھڑی ہوں پر تو تمہارا کیا کرم اگر ایک بار ہوگیا تو پھر کبھی اس دنیا میں واپس نہیں آؤ گے۔"

"ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے ہاں آواگون کے مسئلے کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔" میں نے سپاٹ انداز میں جواب دیا۔ "ہمارا اعتقاد ہے کہ موت اٹل ہے اور اس کے لیے جو وقت اور لمحہ مقرر کردیا جاتا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔"

"کیا بھگوان بھی نہیں۔"

"ہمارے ہاں مٹی کے بھگوان نہیں ہوتے۔" میرے لہجے میں حقارت تھی۔

"پھر میں پورے وشواس سے کہہ سکتی ہوں کہ تمہارے برے دن آگئے ہیں۔ اب دیوی دیوتاؤں کے عتاب سے تمہیں کوئی شکتی بھی نہیں بچا سکتی۔ کالکا بھی نہیں۔"

"ایک سوال میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو۔"

"اگر کالکا کی شکتی تمہارے اور سوجنی کے آگے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تو پھر تم بار بار اس کا نام کیوں دہراتی ہو؟"

"تمہیں کیول اس بات کا وشواس دلانے کے کارن کہ تم گھپ اندھیروں میں بھٹک رہے ہو۔"

"کیا تمہیں صرف یہی کہنے کی خاطر میرے سامنے آنا پڑا ہے۔"

"میں جانتی ہوں شہباز خان کہ تم مضبوط اعصاب کے مالک ہو جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اپنے اوپر تمہیں بہت گھمنڈ ہے پر تو یہ گھمنڈ بہت جلد ریت کے بنائے ہوئے سندر مکان کی طرح ہوا کے ایک جھونکے سے ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔ میں جا رہی ہوں لیکن اتنا یاد رکھنا کہ تمہارے جیون کے دن اب گنے چنے رہ گئے ہیں۔"

اپنے جملے کے اختتام کے ساتھ ہی کومل ورما کا خوبصورت وجود بھی پلک جھپکتے میں میری نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ میں شاید سوتے میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا تھا۔ نیند کے انجکشن کا اثر میرے اوپر کچھ زیادہ موثر نہیں ہوا تھا ورنہ گہری نیند کی حالت میں اس قسم کی فضولیات سے دوچار نہ ہوتا۔ وہ تمام صورتیں غالباً میرے اپنے ذہن کی پیداوار تھیں جو یکے بعد دیگرے میرے سامنے نمودار ہو رہی تھیں۔ میں ان سے خوفزدہ تھا اور یہی خوف ان صورتوں کی حیثیت میں مجھے مزید ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر مجھے لیڈی ملارنس کا خیال آیا جو ابھی میرے سامنے نہیں آئی تھی مگر کیوں؟ کیا میں لاشعوری طور پر اس سے خوفزدہ نہیں تھا؟

میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے لیکن پھر صندل خوشبو کے جھونکے نے میرے دل کی دھڑکنیں تیز سے تیز تر کر دیں۔ وہ دل و دماغ کو تسخیر کرنے والی خوشبو خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کی آمد کا اعلان تھی جس میں کوئی دھوکا کوئی فریب شامل نہیں ہو سکتا۔ میں اس خوشبو کے کرشمے کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ میرا خیال غلط نہیں تھا۔ صندل اور لوبان کی ملی جلی خوشبو چاروں طرف پھیل رہی تھی۔ میں امید و بیم کی کیفیتوں سے دوچار تھا۔ میرا خیال تھا کہ کمبل پوش بزرگ مجھ سے خفا ہوں گے۔ میں نے ان کی باتوں پر عمل نہیں کیا تھا۔ میں نے اجتاہ کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے اس مہمان بزرگ کی بات بھی نہیں مانی تھی جس نے مجھے خطرناک حادثے کی بروقت نشاندہی کی تھی۔ کمبل پوش بزرگ ہی نے اسے میری حفاظت کے لیے تعینات کیا تھا۔

اچانک وہ وقت بھی مجھے یاد آگیا جب بزرگ نے گلے سے لگا کر مجھے بھینچا تھا اور مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ غیبی قوتیں میرے جسم میں منتقل ہو رہی تھیں۔ لیکن وہ قوتیں کیا تھیں؟ ان کے استعمال کا طریقہ کیا تھا؟ کیا وہ پراسرار قوتیں تھیں یا پھر کمبل پوش بزرگ نے مجھے گلے لگا کر تمام خطرات سے نجات دلا دی تھی۔ ناقابل تسخیر بنا دیا تھا؟

کمرے میں کمبل پوش بزرگ کی موجودگی کے احساس ہی نے میرے حوصلے بہت بلند کردیے۔ خوف کا وہ احساس جو کچھ دیر پیشتر میرے اوپر مسلط تھا یکسر ختم ہو چکا تھا پھر میں نے بادل کے اس ٹکڑے کو دیکھا جو اچانک نمودار ہو کر نیچے کی سمت اتر رہا تھا۔ میں نے اس پر اپنی نظریں جما دیں۔ بادل کا وہ ٹکڑا میرے قریب زمین پر اتر کر چکرانے لگا پھر بجلی اتنے زور سے کڑکی اور بادل اتنی شدت سے گرجے کہ میں نے سہم کر آنکھیں بند کرلیں مگر جب میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ بادل کا وہ ٹکڑا تو غائب ہو چکا تھا اور اس کی جگہ کمبل پوش بزرگ اپنی ٹیڑھی میڑھی لکڑی ہاتھ میں لیے کھڑے مجھے قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ مجھ سے سخت برہم ہیں۔ ان کی نگاہوں میں جلال کی سرخی جھلک رہی تھی۔

"میرے بزرگ۔" میں نے ہمت کرکے آہستہ سے کہا۔ "مجھے احساس ہے کہ آپ مجھ سے خفا ہیں۔"

"تو ابھی تک لنگڑا لنگڑا کر چل رہا ہے بدبخت۔" بزرگ نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "زمین پر قدم جمانے کے طریقے سیکھ لے ورنہ یوں ہی اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں کھاتا رہے گا۔"

"مجھے آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے میرے محترم۔"

"بس بوڑھے برگد کے تنے سے لپٹ جا۔"

"میں نے پہلے بھی عرض کی تھی کہ آپ کی اشاروں کنایوں کی زبان سمجھنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔" میں نے گڑگڑا کر کہا۔ "مجھ پر رحم کریں۔ وقت کے شکنجے مجھے جکڑنے کی خاطر اپنا گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔"

"مجیرے رومال کا پاجامہ پہن کر ٹھمکا لگانا شروع کردے۔" بزرگ نے دیوانوں کی طرح اپنی داڑھی کھجلاتے ہوئے جواب دیا۔ "تاک دھنا دھن شروع کردے۔ سب دم دبا کر بھاگ لیں گے۔"

"ان کمینوں نے میرے باپ کو مار ڈالا میری ماں کو زندہ آگ کے شعلوں میں جلانے کی سازش کی ہے۔"

"خاموش رہنے کی عادت چھوڑ کر قہقہے لگانے شروع کردے۔ ایک ایک کرکے سارے پنچھی پھر پھر کرکے اڑ جائیں گے۔" بزرگ نے معنی خیز انداز میں مجھے آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "بار بار قلابازی کھائے گا تو چمگادڑ کی طرح الٹا لٹکا رہے گا تمام زندگی۔"

"میرے محترم میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ......"

"بدبخت' ناہنجار' گندی نالی کے کیڑے۔ اپنے میلے لباس پر نظر ڈال اور توبہ کر۔" بزرگ کو جلال آگیا۔ "آسمان کی طرف نظر اٹھانے کی خواہش ہے تو آنکھوں میں سرمہ لگایا کر۔ ورنہ کتوں کی موت مارا جائے گا۔ بھوں بھوں کرتا پھرے گا اور بچے تیرے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں گے۔"

"مجھے اپنی یہ لکڑی عنایت کردیں۔" میں نے درخواست کی۔

"مینار خاموشی (جہاں پارسیوں کے مردوں کو ڈالا جاتا ہے) بھی دیکھا ہے۔" بزرگ نے دیدے نچاتے ہوئے سرگوشی کی۔ "نہیں دیکھا تو اب جا کر دیکھ لے۔ بھوکے گدھ مردوں کی بوٹیاں نوچ رہے ہوں گے۔"

"میرے محترم"

"ششش۔" بزرگ نے ہونٹ پر انگلی جما کر ادھر ادھر دیکھا پھر سرگوشی کی۔ "آہستہ بول بدبخت۔ اگر کسی نے آواز سن لی تو سارے گدھ ایک ایک کرکے اڑ جائیں گے۔ میری بات غور سے سن۔ ایک غلیل بنا لے اور شکار کھیلنا شروع کردے۔ سب کچھ پسپا ہو جائے گا۔"

"آپ شاید ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں؟" میں نے بڑی عاجزی سے کہا۔ "مجھے اپنی ناراضگی کا سبب ہی بتا دیں۔"

"مانے گا میری بات۔"

"آپ حکم دیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں سرتابی کی جرأت نہیں کروں گا۔"

"کپڑے اتار کر لنگوٹ باندھ لے اور اکھاڑے میں کود کر پہلوانوں کے ساتھ پینترا شروع کردے۔ دو چار داؤں پیچ سیکھ لے پھر کبوتر اڑانے کی مشق شروع کردے۔ کیا سمجھا؟"

"میں ابھی بھی کچھ نہیں سمجھا۔" میں نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"پھر بھرا سنا کر بدبخت۔ گلاس میں ڈوب کر بے ہوش ہو جا۔" بزرگ نے اس بار جلالی حالت میں مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "جب ساری دمڑی (دولت) لٹ جائے گی پھر چلم بھرا کرنا۔ حقے کی گڑگڑاہٹ پر کولہے مٹکا مٹکا کر چلنا شروع کر دینا۔"

بزرگ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ مجھ سے پھر خفا ہو گئے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے نفرت کے شعلے ابل رہے تھے۔ ایک لمحہ تک وہ مجھے گھورتے رہے پھر نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے گھٹن کا احساس بڑی شدت سے ہو رہا تھا۔ کمرے میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ میرا گلا پیاس کی شدت سے خشک ہو رہا تھا۔ میں نے نرس کو بلا کر پانی لانے کو کہا۔ اس نے میرے حکم کی تعمیل میں دیر نہیں کی۔ پانی کا پورا گلاس ختم کرنے کے بعد میرے دل کی دھڑکنیں بتدریج کم ہونے لگیں۔

"آپ سوئے نہیں۔" نرس نے کہا۔ "حالانکہ ہم نے ڈاکٹر کی ہدایت پر آپ کو سکون پہنچانے کی خاطر نیند کا ڈبل ڈوز دیا تھا۔"

میں نے نرس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں اور کمبل پوش بزرگ کے جملوں کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہو گیا۔ پھر کب میں سوچتے سوچتے نیند کی کیفیت سے دوچار ہوا۔ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔

دوسری صبح میں نیند سے بیدار ہوا تو ندیم کے علاوہ سراج بھی میرے کمرے میں موجود تھا۔ میں نے ضروریات سے فارغ ہو کر ناشتا کیا پھر سراج کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوئی خاص بات۔ آپ اس وقت بہت سنجیدہ نظر آرہے ہیں۔"

"جی ہاں۔" سراج نے اپنی نشست پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "حالات نے ایک نئی کروٹ لے لی ہے۔"

"کیا بھوش جوزف نے آپ کے خلاف پھر کسی کمینگی کا ثبوت دیا ہے؟"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں۔" سراج نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں اس وقت سیدھا اسی کی طرف سے آرہا ہوں۔ جانتے ہیں اس نے مجھے کیوں بلایا تھا۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے مسٹر سراج کہ میں کل سے ہسپتال میں ہوں۔"

"اس نے مجھے ایک لکڑی کا صندوق دکھانے کی غرض سے طلب کیا تھا۔" سراج نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

aazzamm@yahoo.com

"جانتے ہیں اس صندوق میں کیا تھا؟ خان جابر کی لاش کے ٹکڑے جو اس کے بیان کے مطابق اسے صبح صبح اپنے بنگلے کے عقبی دروازے پر رکھا ہوا ملا تھا۔"

ندیم جو اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا خان جابر کا نام سن کر اس طرح چونکا جیسے اسے ذاتی طور پر بھی خان جابر سے کوئی پرخاش رہی ہو۔ میں دل ہی دل میں ندیم کی اس بھرپور اداکاری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"خان جابر....." اس نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے سراج سے کہا۔ "اگر میری معلومات غلط نہیں ہیں تو شاید خان جابر ایک شہرۂ پشت بدمعاش اور دہشت گرد تھا جو پولیس کو بہت عرصے سے درکار تھا۔"

"جی ہاں۔ آپ کی معلومات اس سلسلے میں غلط نہیں ہیں۔" سراج نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ جب سے سراج کو اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ ندیم ہی کی شکایت پر اسے مسز سلیمان شاہ کی جانب سے محتاط رہنے کی وارننگ ملی ہے وہ ندیم سے کچھ اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔

"مسٹر سراج۔" میں نے جلدی سے سراج کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں اس میں بھی خود بھوشن کی کوئی چال نہ ہو۔"

"ہو سکتا ہے۔" سراج نے کہا۔ "اس نے مجھ کو براہ راست فون کر کے خان جابر کی بازیابی کے احکامات دیے تھے اور اب اسی کے گھر سے خان جابر کی لاش کے ٹکڑے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ممکن ہے اس نے پولیس کو الجھانے کی خاطر ڈبل گیم پلے کیا ہو۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" ندیم نے پھر بڑی معصومیت سے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے خان جابر بھی بھوشن ہی کے لیے کام کر رہا تھا۔ ایسی صورت میں بھلا بھوشن اسے خود اپنے ہاتھوں سے..... بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ رہے ہیں کہ وہ بھوشن کے لیے کام کر رہا تھا۔" سراج نے ندیم کو گھورا۔

"یہ میرا خیال ہے اور خیال کے اظہار کو ابھی تک قانون کی گرفت میں لینے کی خاطر کوئی قانونی شق وضع نہیں کی گئی۔" ندیم نے اس بار سپاٹ آواز میں کہا۔ "آپ تو بہرحال جانتے ہیں کہ میرا تعلق کس کاروبار سے ہے اور اس کاروبار سے تعلق رکھنے والے کو اپنی لائن کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلومات ضرور ہوتی ہیں۔"

"اور ان کے تعلقات بھی بہت اوپر تک ہوتے ہیں۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے ندیم کو گھورا۔

"رکھنے پڑتے ہیں مسٹر سراج۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ایسا نہ ہو تو ہم جیسے شریف لوگ ایک دن بھی اپنا کاروبار جاری نہیں رکھ سکتے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں فی الحال اپنے خیال کا اظہار نہیں کر سکتا۔" سراج کے لہجے میں چیلنج تھا۔

"مسٹر بھوشن نے خان جابر کی لاش کے بارے میں کسی شے کا اظہار کیا ہو گا۔" میں نے جلدی سے سراج کو دوبارہ اپنی طرف متوجہ کیا۔

"جی نہیں۔ وہ ابھی تک کوئی بیان دینے سے کترا رہا ہے۔ اس نے اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا ہے کہ کبھی اس نے مجھے فون کر کے خان جابر کے لیے کوئی ہدایت کی تھی۔"

"آئی سی' پھر تو اس چال میں بھی بھوشن ہی کی کوئی گہری سازش معلوم ہوتی ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔

"کل ایک اور واقعہ بھی پیش آ چکا ہے۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "خان جابر کی طرح بہرام نامی ایک دہشت گرد بھی پولیس کی لسٹ پر تھا لیکن کل وہ بھی اپنے فلیٹ میں مردہ پایا گیا۔"

میں اس طرح چونکا جیسے بہرام کا نام بھی میرے لیے نیا ہو پھر میرے اصرار پر سراج نے کم و بیش وہی کہانی سنائی جو میں ندیم کی زبانی بڑی تفصیل سے پہلے ہی سن چکا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ خان جابر اور بہرام کی موت ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہوں۔"

"قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن پولیس اپنا کام پوری تندہی سے انجام دے رہی ہے۔" سراج نے کہا پھر ندیم کی طرف کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب صرف ایک شخص میری لسٹ پر اور رہ گیا ہے اگر ہم اسے رنگے ہاتھوں گرفتار کر کے اس کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے تو پھر بھوشن کو دنیا کی کوئی طاقت قانون کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی۔"

"کیا وہ شخص بھی بھوشن ہی کا کوئی کارندہ ہے۔" میں نے معصومیت سے دریافت کیا۔

ندیم نے پھر اخبار کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ اس کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سے قطعی لاتعلق ہو گیا تھا۔

"سوری مسٹر شہباز۔" سراج نے ندیم پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "میں فی الحال اس سلسلے میں زبان کھولنے سے قاصر ہوں اس لیے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"دانش کے بارے میں آپ کو کوئی اطلاع ملی؟" میں نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے دریافت کیا۔

"ابھی تک پولیس دانش کا بھی کوئی سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"مسٹر سراج۔" میں نے تشویش کا اظہار کیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ گھن کے ساتھ گیہوں بھی پس گیا ہو؟ میرا مطلب ہے کہ ہماری اطلاع کے مطابق خان جابر اس وقت میرے گھر کے قریب ہی تھا جب اس میں آگ لگی تھی۔ دانش بھی اسی دن سے لاپتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خان جابر کے تعاقب میں گیا ہو اور..... خان جابر اور بہرام کی طرح دانش کو بھی ٹھکانے لگا دیا گیا ہو۔"

"جہاں قانون کی بالادستی حاصل نہ ہو وہاں سب کچھ ممکن ہے لیکن ہمیں اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

سراج کچھ دیر بعد چلا گیا۔ ندیم بھی ابھی تک اسی انہماک سے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا جیسے اسے سراج کی جانے کی بھی مطلق خبر نہیں ہو سکی۔

"اب یہ اداکاری چھوڑو اور کام کی کچھ بات کرو۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔

"کام کی اب صرف ایک ہی بات رہ جاتی ہے۔" ندیم نے اخبار رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں اب یہ سوچ رہا ہوں کہ تمہارے سراج صاحب کو اس مریض کے بارے میں اطلاع دی جائے یا نہیں جو ماسٹر کی اطلاع کے مطابق آج رات پہنچ رہا ہے۔"

"کیوں؟ کیا تمہیں سراج کی ایمانداری اور اس کی صلاحیتوں کا یقین نہیں ہے۔"

"بات ایمانداری اور صلاحیتوں کی نہیں ہے بلکہ ان کالی طاقتوں کی ہے جو ہمارے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں۔"

"پھر....."

"میرا خیال ہے کہ ہمیں بھی کسی نہ کسی صورت میں اس وقت ائرپورٹ پر موجود رہنا ہو گا جب تمہارے سراج صاحب مطلوبہ مریض کو گرفتار کریں۔"

"فائدہ۔"

"اگر ہماری اطلاع کے مطابق وہ مریض اتنا ہی اہم ہے کہ اس کا بیان بھوشن کو پھنسوا سکتا ہے تو بھوشن یا اس کے خاص کارندے ائرپورٹ پر کسی ہنگامی حالت پر قابو پانے کے لیے ضرور موجود ہوں گے۔"

"کیا ہمارے علاوہ تمہارے کچھ آدمی ہوں گے؟"

"اس کا جواب تمہیں ائرپورٹ پر ہی ملے گا لیکن ہمیں وہاں میک اپ میں چلنا ہو گا۔"

ڈاکٹر کے آجانے سے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اس نے معائنے کے بعد مجھے گھر جانے کی اجازت دے دی اور میں ندیم کے ساتھ ہسپتال سے رخصت ہو گیا۔ راستے میں ہمارے درمیان اسی اہم مریض کی باتیں ہوتی رہیں جو بھوشن کے تابوت میں آخری کیل بھی ثابت ہو سکتا تھا۔

***

میں دوپہر کو آفس جانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ میں نے وانی کو فون کر کے اپنے لیے دوسری گاڑی منگوا لی تھی۔ گزرے ہوئے حادثے اور رات بھر ہسپتال میں میرے ذہن پر جو کچھ بیتی تھی اس کا ردعمل ابھی تک میرے دل و دماغ پر طاری تھا۔ کالکا' موہنی اور کومل ورما کا یکے بعد دیگرے میرے سامنے آنا الجھے ہوئے ذہن کی پیداوار بھی ثابت ہو سکتا تھا لیکن کمبل پوش بزرگ کی آمد کوئی واہمہ نہیں تھی۔ ان کے نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد جب میں ہڑبڑا کر اٹھا تھا اس وقت بھی صندل اور لوبان کی ملی جلی خوشبو کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔

خدا کے اس برگزیدہ بزرگ کی آواز محض ایک اتفاق نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ یقیناً مجھے ڈھکے چھپے لفظوں میں میری رہنمائی کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ میں ان کے جملے ایک ایک کر کے یاد کرتا رہا پھر جیسے کسی اندرونی قوت نے میرے ذہن کو روشن کر دیا۔ بزرگ کے کہے ہوئے وہ جملے گنبد کی صدا کی طرح میرے کانوں میں گونجنے لگے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں کپڑے اتار کر لنگوٹ باندھ کر اکھاڑے میں چھلانگ لگا دوں اور پہلوانوں سے پنجہ لڑانا شروع کر دوں۔ غلیل بنا کر شکار کھیلنا شروع کر دوں۔ یہ جملے کسی مجذوب کی بڑ نہیں تھے کمبل پوش بزرگ نے ڈھکے چھپے لفظوں میں مجھے تلقین کی تھی کہ میں دشمنوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کروں۔ ان سے خوفزدہ ہونے کے بجائے ان کو اپنی قوت بازو کا احساس دلاؤں۔

میرے ذہن میں گرم آندھی کے جھکڑ چل رہے تھے۔ پھر میں نے اپنی گاڑی کا رخ اچانک پانڈے کی کنسٹرکشن کمپنی کی جانب موڑ دیا۔ پانڈے اس وقت اپنے دفتر ہی میں تھا۔ خلاف توقع مجھے دیکھ کر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے پانڈے کے دفتر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گرد آیت الکرسی کا حصار باندھ لیا تھا۔ اس لیے مجھے نادیدہ قوتوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

"آپ۔" پانڈے نے مجھے دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک ضروری کام آ پڑا ہے۔" میں نے پانڈے کے کہے بغیر ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن آپ نے تو کہا تھا کہ دوبارہ میرے دفتر آنے کے بجائے فون پر گفتگو کریں گے۔" پانڈے کے لہجے میں خوف و ہراس کا ملا جلا رنگ جھلک رہا تھا۔

"مجھے یاد ہے لیکن اس وقت مجھے جو کام درپیش ہے وہ فون پر نہیں ہو سکتا تھا۔"

"مگر..... وہ....."

"آپ پریشان مت ہوں پانڈے جی۔" میں نے اس کی

aazzamm@yahoo.com

بوکھلاہٹ کا مفہوم سمجھتے ہوئے کہا۔ "کومل ورما کو صرف یہاں میری آمد کا علم ہو سکتا ہے۔ ہمارے درمیان جو باتیں ہوں گی وہ انہیں نہیں سن سکے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔" پانڈے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"آپ شاید مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا آپ کو پورا وشواس ہے کہ کوئی تیسرا ہماری باتیں نہیں سن سکے گا۔"

"آپ پہلے بھی دو بار اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔"

"ہاں۔ مگر اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اب اگر آپ آئیں تو میں آپ سے ملنے سے انکار کر دوں۔"

"میں دراصل آپ کو شہر کے دو دہشت گردوں کی موت کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔" میں نے پانڈے کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے آپ کو ابھی اس کا علم نہ ہوا ہو لیکن خان جابر اور بہرام دونوں اب اس دنیا میں نہیں رہے ہیں۔ شاید اب بھی ان کی لاشیں پولیس ہسپتال کے مردہ خانے میں پڑی ہوں۔"

"آپ۔۔۔ آپ بہرام کے بارے میں مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

"اوہ۔" میں مسکرایا۔ "کیا آپ بھی بہرام کے نام سے کسی نہ کسی طرح واقف ہیں؟"

"مسٹر شہباز۔" پانڈے نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ "کیا آپ کو پورا وشواس ہے کہ وہ حرامزادہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔"

"آپ اس کا نام سن کر گھبرا کیوں گئے پانڈے جی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں دریافت کیا۔ "آج مجھے پچاس ہزار کی ادائگی کرنی تھی۔"

"کیا مطلب؟" میں چونکا۔

"اس نے موہنی کا حوالہ دے کر مجھ سے رقم تیار رکھنے کو کہا تھا۔"

"کیا وہ آپ سے براہ راست ملا تھا؟"

"نہیں۔ ہمارے درمیان فون پر گفتگو ہوئی تھی۔"

"بہرام کا فون موصول ہونے کے بعد سے اب تک کیا موہنی نے آپ کو دوبارہ فون نہیں کیا۔"

"مجھے خود بھی اس بات پر تعجب ہو رہا ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "اگر آپ کے بیان کے مطابق بہرام نرکھ سدھار گیا ہے تو موہنی کو اس کی اطلاع بھی ضرور دینی چاہیے تھی۔"

"ہو سکتا ہے کہ اب وہ نئی چال چلنے کا ارادہ رکھتی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے۔" پانڈے نے کہا پھر جلدی بولا۔ "آپ اس لیے کیا مجھے صرف بہرام کی موت کی اطلاع دینے آئے تھے۔"

"نہیں۔۔۔" میں نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے پوچھا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کومل ورما ابھی تک آپ کے ساتھ کام کر رہی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" پانڈے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"پریشان مت ہوں پانڈے جی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "میں اسے صرف دیکھوں گا کوئی بات نہیں کروں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ اس نے مجھے وشواس دلایا تھا کہ میرے سوا اسے کوئی اور نہیں دیکھ سکے گا۔"

"آج ایسا نہیں ہو گا۔" میں نے کمبل پوش بزرگ کو یاد کرتے ہوئے پورے یقین سے جواب دیا۔

"ایک بار پھر سوچ لیجیے مسٹر شہباز۔" پانڈے نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ "اگر اس نے آپ کو دیکھ لیا تو پھر ہم دونوں میں سے کسی ایک کی موت یقینی ہو گی۔ آپ شاید بچ جائیں لیکن وہ مجھے کبھی شما نہیں کرے گی۔"

"موت اور زندگی خدا یا بھگوان کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے اسے یقین دلایا۔ "ہماری قسمت میں جو بھی لکھا جا چکا ہے اسے دنیا کی کوئی اور طاقت نہیں مٹا سکتی۔"

پانڈے ابھی کوئی آخری فیصلہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور اس نے گھبرا کر ریسیور اٹھایا پھر دوسری جانب سے اسے کوئی ایسا ہی پیغام ملا تھا جسے سن کر اس کے چہرے کی رنگت زرد پڑ گئی۔ وہ خاموشی سے ریسیور ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا پھر جب اس نے ریسیور کریڈل پر واپس رکھا تو اس کے ہاتھ کسی خطرے کی وجہ سے لرز رہے تھے۔

"مسٹر شہباز۔" اس نے ریسیور رکھ کر میری جانب دیکھا پھر بڑے خشک اور سرد لہجے میں بولا۔ "میں بنتی کروں گا کہ آپ میرے دفتر سے چلے جائیں اور دوبارہ کبھی مجھ سے کوئی سمبندھ نہ رکھیں۔"

"موہنی۔" میرے ذہن میں موہنی کا نام کسی نیون سائن بورڈ کی طرح چمکنے لگا۔ میں نے پانڈے کی مجبوری کو محسوس کرتے ہوئے اس سے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ خاموشی سے اس کے دفتر سے باہر نکلا اور نیچے جانے والے زینے کی سمت جانے کے بجائے دائیں جانب مڑ گیا جہاں ایک دروازے پر اس وقت بھی کومل ورما کی تختی آویزاں تھی۔

میں پنجے کے بل چلتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ مایوسی کی حالت میں میں واپسی کے ارادے سے مڑا ہی تھا کہ میرے ذہن میں ایک مانوس آواز ابھری۔

"میرے عزیز۔ دوبارہ پلٹ کر غور سے دیکھو۔ وہ جس کی خاطر تم یہاں تک آئے ہو تمہاری نگاہوں سے اب پوشیدہ نہیں ہے گی۔" میں دھڑکتے ہوئے دل سے پنجوں کے بل گھوما پھر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ کومل ورما جس کے خوبصورت جسم کو میں نے کبھی گولیوں سے چھلنی کر دیا تھا اس وقت اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھی سر جھکائے اپنے کام میں مصروف تھی۔ شاید اسے کمرے میں اپنے سوا کسی دوسرے کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔

"میرے عزیز۔ وقت مت ضائع کرو۔ جو کچھ کرنا ہے کر گزرو ورنہ تمہیں پھر پچھتانا پڑے گا۔"

یہ وہی آواز تھی جس نے کار والے خوفناک حادثے سے پیشتر مجھے آگاہ کیا تھا۔ میں نے اس وقت مزید کوئی بات مناسب نہیں سمجھی۔ خدا کا نام لے کر صندلی انگوٹھی کو بوسہ دیا پھر آگے بڑھ کر اسے کومل ورما کے جسم سے لگا دیا۔ وہ ہذیانی انداز میں چیخی تھی لیکن اس کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ دوسری طرح اس وقت کومل ورما کا حسین جسم بھی شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ میرا خیال تھا کہ کومل ورما کی چیخ کی آواز دفتر کے دوسرے لوگوں نے بھی سنی ہو گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ میں تیزی سے پلٹا اور زینے طے کرتا ہوا نیچے آ کر اپنی کار میں بیٹھ کر دفتر کے لیے روانہ ہو گیا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ موہنی کی روح کومل ورما کے انجام سے بے خبر نہیں ہو گی اور مجھ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مگر یہ بھی میری خوش فہمی تھی۔ میں اپنے دفتر میں داخل ہوا تو موہنی وہاں پہلے سے ایک کرسی پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔ اس کی نگاہوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے۔

"میں تمہیں کومل ورما کی موت پر مبارکباد دیتی ہوں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔ "لیکن تم نے اچھا نہیں کیا۔ وہ میرے شریر کا دوسرا حصہ تھی۔ تم نے اسے جلا کر راکھ کر دیا پر جواب جو کچھ ہو گا وہ بڑا بھیانک ہو گا۔"

"تم نے میرے والد کو مار ڈالا۔ میری ماں کو زندہ جلانے کی کوشش کی۔ اب اس سے زیادہ بھیانک اور کیا ہو گا۔" میں نے حقارت سے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں کہ تم اتنے اونچے سروں میں کیوں بول رہے ہو۔" اس نے کاکا کی شان میں بڑی گندی زبان استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب ایک شکتی دوسری شکتی سے ٹکراتی ہے تو کمزور شکتی جل کر خاک ہو جاتی ہے۔"

"پھر تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا کہ میری قوت تم سے زیادہ ہے۔" میں نے فاتحانہ انداز اختیار کیا۔ "کیا اب بھی تمہاری گندی آتما میرا راستہ کھوٹا کرنے سے باز نہیں آئے گی۔"

"یہ کے کی بات ہے شہباز خان مگر اب تمہارا جادو نہیں چل سکے گا۔" اس نے مجھے خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم اپنی شکتی کا مظاہرہ دکھا چکے اب ہماری باری ہے۔"

"جب تم غصہ کرتی ہو تو اور حسین اور سندر نظر آنے لگتی ہو۔" میں اسے والہانہ نظروں سے دیکھ کر مسکراتا ہوا اٹھا۔ میں اسے بھی کومل ورما کی طرح جلا ڈالنا چاہتا تھا۔

"مجھ سے دوری رہو شہباز خان۔" وہ تنتنا انداز میں بولی۔ "میرے شریر کو ہاتھ لگانے کا تمہارا سپنا کبھی پورا نہیں ہو گا۔ اب ہمیں تمہارا کریا کرم کرنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرنا ہو گا۔"

"کیا ہمارے درمیان دوستی کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا۔" میں نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ہو سکتا ہے۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "تم اگر کالی کے چرنوں میں اپنی ماتا کی بلی (قربانی) دینے کو تیار ہو جاؤ تو پھر ہم ایک دوسرے کے متر بھی بن سکتے ہیں۔ بولو کیا تمہیں یہ شرط منظور ہو گی۔"

موہنی کا جواب سن کر میرے ذہن میں آگ لگ گئی۔ میں تیزی سے اس کی جانب لپکا لیکن وہ پلک جھپکتے میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اس وقت میرے ذہن میں بس ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔ کیا ماورائی طاقتیں صندلی انگوٹھی کے راز سے واقف ہو گئی ہیں؟

دفتر میں میری آمد کی اطلاع پا کر دوسرے اسٹاف کے لوگ بھی میری خیریت دریافت کرنے آ گئے لیکن ان میں عارفہ نہیں تھی۔ اپنے آفس میں داخل ہوتے وقت میں نے اسے اس کے کیبن میں بیٹھے دیکھا تھا۔ پھر اس نے میری خیریت دریافت کرنے کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی۔ کیا وہ مجھ سے خفا تھی؟ مگر کیوں؟ دوسرے تمام اسٹاف کے جانے کے بعد میں ابھی عارفہ کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ انٹرکام کا بزر بجا۔

"یس۔" میں نے ریسیور اٹھا کر کہا۔

"سر۔۔۔ مسٹر سلیمان شاہ کا فون آپ کے لیے صبح سے دو مرتبہ آ چکا ہے۔" عارفہ نے بتایا۔ اس کے لب و لہجے سے اس کی خفگی کی وجہ جان گیا تھا لیکن میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ ماہ رخ سے اتنی الرجک کیوں ہے؟ اس نے ایک بار پہلے بھی مجھ سے کھل کر ماہ رخ کے بارے میں گفتگو کی تھی۔ اس روز مجھے اس کی باتوں کے اندر ایک لطیف سا محبت کا جذبہ محسوس ہوا تھا لیکن میں اسے ٹال گیا تھا مگر آج میں نے سنجیدگی سے عارفہ کے بارے میں غور کیا۔ وہ میری اسٹینو تھی۔ میری سیکرٹری تھی اس لیے دوسروں کے مقابلے میں مجھ سے زیادہ قریب رہتی تھی۔ اسے مجھ سے انس تھا لیکن شاید اس انس کے پیچھے محبت کا جذبہ بھی کار فرما تھا جس کا شبہ مجھے اس دن ہوا جب اس نے ماہ رخ کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اور آج شاید

aazzamm@yahoo.com

وہ جذبۂ رقابت کی اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ میری خیریت دریافت کرنے بھی نہیں آئی تھی۔ میں سنجیدگی سے عارفہ کے بارے میں غور کرنے لگا۔ وہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک باکردار لڑکی تھی۔ صورت شکل کے اعتبار سے بھی اسے خوبصورتی کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا تھا۔

مجھے امی کا خیال آیا۔ وہ ادھر متعدد بار مجھ سے شادی کا تقاضہ کر چکی تھیں۔ انہوں نے کھل کر یہاں تک کہا تھا کہ اگر مجھے ذاتی طور پر کوئی لڑکی پسند ہے تو وہ اسے بھی بحیثیت بہو قبول کرنے کے لیے خوشی خوشی تیار ہیں۔ جواب میں میں نے انہیں یقین دلایا تھا کہ میں ابھی تک کسی کی زلف کا اسیر نہیں ہوا ہوں مگر اس وقت میں نے عارفہ کے بارے میں غور کیا تو مجھے احساس ہوا کہ وہ میرے دل کے اندر سر جھکائے خاموش بیٹھی ہے۔ میں اپنی لاعلمی پر مسکرا دیا۔

"سر۔" عارفہ کی خنک آواز دوبارہ ابھری۔ "کیا محترمہ ماہ رخ صاحبہ سے لائن ملا دوں۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" میں نے پہلی بار قدرے بے تکلفی کا اظہار کیا۔

"میں آپ کی سیکریٹری ہوں سر۔" وہ بدستور سنجیدہ تھی۔ "آپ کے حکم کی تعمیل کرنا میرا فرض ہے۔ اس لیے میرے چاہنے نہ چاہنے سے بھلا کیا فرق پڑ سکتا ہے۔"

"مس عارفہ۔"

"آپ نے مجھے بتایا بھی تھا سر کہ ایک کاروباری ادارے کے مالک ہونے کی وجہ سے آپ کے لیے اونچی سوسائٹی اور ہائی سرکل کے لوگوں سے تعلقات رکھنا کس قدر اہم ہے۔" وہ میری بات سنے بغیر بولی۔ "بڑے لوگوں سے تعلقات ہوں تو وہ آڑے وقتوں میں بے حد کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔"

"کیا آپ اس وقت مصروف ہیں؟"

"کوئی خاص۔"

"ذرا میرے کمرے میں تشریف لائیے۔"

دو منٹ بعد وہ میرے کمرے میں ہاتھ میں نوٹ بک اور پنسل لیے داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اس وقت معصومیت اور خفگی کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ میں نے اسے پہلی بار غور سے دیکھا۔ وہ حسین کہے جانے کی مستحق تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا سر۔" وہ میری محویت کو محسوس کر کے بولی۔ اس کا انداز ناصحوں جیسا تھا۔

"تشریف رکھیے۔" میں نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو وہ جھجک یوں سرکتے ہوئے بیٹھ گئی۔ "مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"آپ آرڈر کریں سر۔"

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھ سے غلط بیانی نہیں کریں گی۔" میں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"میں نے آج تک یہی کوشش کی ہے کہ آپ کے اعتماد کو کوئی ٹھیس نہ پہنچ پائے۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ آج کل آپ اپنے کام میں زیادہ دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔" میں نے باس بن کر کہا۔

"اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔" وہ تذبذب سی ہو گئی۔

"اور اگر میں آپ کی معافی کی درخواست رد کر دوں تو۔۔؟"

"تو آپ مجھے ملازمت سے برطرف بھی کر سکتے ہیں۔"

"آپ نے یہ نہیں دریافت کیا کہ آپ سے کیا غلطی سرزد ہوئی ہے؟"

"اگر آپ نے کوئی بات محسوس کی ہے تو میں اس کی صفائی نہیں پیش کروں گی۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔ اس کی پلکوں کے گوشے نمناک سے ہو رہے تھے۔ اس کی معصومیت کچھ اور جاذب نظر ہو گئی۔

"آپ سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے کہ آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔" میں نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"میں ۔۔۔ کبھی نہیں سر۔۔۔" اس نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

"آپ نے میرے بارے میں جو اندازے قائم کیے ہیں وہ قطعی بے بنیاد ہیں۔" میری آواز میں اپنائیت تھی۔

"بھلا آپ کے سلسلے میں کوئی اندازہ قائم کرنے کا حق کہاں؟"

"پلیز مس عارفہ۔" میں نے اسے ٹوکا پھر کرسی پر پہلو بدل کر بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "مجھے گھما پھرا کر بات کرنے کا سلیقہ نہیں آتا اس لیے اگر آپ برا نہ مانیں تو کہوں کہ آپ پورے دفتر میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔"

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ اس کی خفگی کے تاثرات یکلخت ہی کائی کی طرح چھٹ گئے تھے۔

"آپ کو میری صاف گوئی بری تو نہیں لگی۔"

"جی نہیں۔" اس نے شرماتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ایک درخواست اور کروں گا۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ آپ ایک بار چل کر میری امی سے مل لیں۔"

"جی۔" وہ چونک اٹھی۔

"اور دوسری بات یہ ہے کہ آج کے بعد سے آپ مجھ سے ایک دوست کی حیثیت سے ملیں گی۔" میں نے اس کے چہرے کے دھنک رنگوں کو بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رہا ماہ رخ کا سوال تو میں اس سے ایک کاروباری ضرورت کی خاطر ملتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلے میں مجھے بہت زیادہ عزیز ہیں۔"



وہ میری باتوں کا مفہوم بھانپ گئی۔ اس لیے کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف دراز پلکیں اٹھا کر مجھے بڑے پیار سے دیکھا پھر جلدی سے اٹھی اور باد صبا کے مست خرام جھونکے کے مانند کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں کچھ دیر تک عارفہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر دفتری کاموں میں مصروف ہو گیا۔

شام کو ٹھیک چھ بجے میں دفتر سے اٹھ گیا۔ امی کو میرا انتظار تھا۔ قدرت کے کرشمے بھی عجیب ہوتے ہیں۔ دنیا کا ہر انسان اسی خدائے بزرگ و برتر کے اشارے پر چلتا ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔ میں دوپہر میں عارفہ سے کھل کر بات کی تھی اور گھر پہنچ کر لباس تبدیل کر کے ناشتے کی میز پر بیٹھا ہی تھا کہ امی نے میری شادی کا ذکر چھیڑ دیا۔ میز پر میرے علاوہ ندیم بھی تھا جو کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔

"شہباز۔" امی نے مجھے مخاطب کیا۔ "کیا تو میری زندگی کی آخری خواہش کبھی پوری نہیں کرے گا۔"

"امی۔" میں چونکا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"غلط مت سمجھو۔" وہ ممتا کے جذبوں سے سرشار ہو کر مسکرائیں۔ "میں تمہارے سر پر سہرا دیکھنے کی بات کر رہی تھی۔"

"وہ تو آج ہی ممکن ہے لیکن شاید آپ کو وہ لڑکی پسند نہ آئے جسے شہباز نے پسند کیا ہے۔" ندیم نے جلدی سے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ آخر ایسی کیا بات ہے؟" امی نے سوال کیا۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے آنٹی۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس نے دراصل اپنے لیے جو لڑکی پسند کی ہے وہ کرسچین ہے۔ اس کا خیال ہے کہ پہلے اسے مشرف بہ اسلام کر کے تیسواں پارہ ختم کرا دے۔ اس کے بعد آپ سے ملوائے لیکن لڑکی کا کہنا کچھ اور ہے۔"

"وہ کیا کہتی ہے؟" امی نے ندیم کی بکواس کو سچ سمجھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ نکاح دو حصوں میں ہو گا۔" ندیم بدستور سنجیدہ تھا۔ "پہلا حصہ کسی چرچ میں پادری کے ہاتھوں انجام پائے گا اور دوسرا حصہ کوئی مولوی مکمل کرے اور شادی کے بعد وہ اس وقت اسلام قبول کرے گی جب اس کے ہاں کوئی چاند سا بچہ پیدا ہو گا۔"

"لیکن یہ بھلا کس طرح۔۔۔؟"

"آپ بھی درست کہہ رہی ہیں اور لڑکی بھی اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔" ندیم نے امی کی بات کاٹ کر اپنی بکواس جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "دنیا میں جتنے بھی لوگ یا مخلوقات ہیں ان سب کو اپنے تحفظ کا حق حاصل ہے۔ اس لڑکی نے بھی یہی خواہش کی ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد ہی وہ مشرف بہ اسلام ہو گی۔ اس لیے کہ خدانخواستہ اگر کہیں شادی کے بعد بچہ پیدا ہونے کی کوئی صورت میں پیش نہ آ سکے تو وہ واپس اپنے مذہب کی طرف لوٹ جائے۔ دوسری صورت میں اس کی حیثیت کالے کوے جیسی ہو گی جس نے مور کا پر لگا کر خود کو مور سمجھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا انجام کیا ہوا۔ نہ اسے موروں نے قبول کیا نہ کووں نے۔"

"میں سمجھ گئی۔" امی مسکرائیں۔ "تو مذاق کر رہا ہے۔"

"میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہا ہوں اسے کیسینو کی دنیا سے نکال کر کسی سرکس میں مسخرے کی آسامی دلا دی جائے۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم شادی پر آمادہ ہو جاؤ۔ میں سرکس کی ملازمت قبول کر لوں گا۔"

"تم دونوں ہمیشہ اسی طرح مجھے باتوں میں ٹال دیتے ہو لیکن شہباز بیٹے۔" ماں کی آواز رندھ سی گئی۔ "زندگی کا کوئی بھروسا نہیں کون جانے کب۔۔۔"

"امی حضور۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے پھر دل دکھانے والی بات شروع کر دی۔ آپ پریشان نہ ہوں امی۔ میں نے اب آپ کے حکم کی تعمیل کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"کیا تو نے میرے لیے کوئی بہو پسند کر لی ہے؟"

"جی ہاں۔ کسی دن ملواؤں گا آپ سے۔" میں نے نظریں جھکا کر دبی زبان میں کہا۔

"زندہ باد۔" ندیم نے بچوں کی طرح نعرہ لگایا پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "ذرا میں بھی تو اس جونک کا نام سنوں جو تم جیسے پتھر کو لگ گئی ہے۔ کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"تم اسے اسی وقت سے جانتے ہو جب تمہاری اور نسیم کی شادی نہیں ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" ندیم نے کڑوا سا منہ بنایا۔ "کیا اب مجھے اسے بھابی کہنا پڑے گا۔"

"پھر تم نے اپنی باتیں شروع کر دیں۔" امی نے پوچھا۔ "مجھے بھی تو پتا چلے کہ آخر وہ کون لڑکی ہے۔ کہاں رہتی ہے۔ کیا کرتی ہے۔ اس کا خاندان کیسا ہے۔ لوگ کیسے ہیں؟"

"وہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے اس کے خاندان کے بارے میں بھی دریافت نہیں کیا اس لیے کہ مجھے خاندان والوں سے نہیں بلکہ لڑکی سے شادی کرنی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے حق میں ایک اچھی رفیق سفر ثابت ہو گی۔"

"کہاں رہتی ہے؟"

"ایک درمیانہ درجے کے فلیٹ میں۔" میں نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ شاید اس کا کوئی ایسا بزرگ

aazzamm@yahoo.com

موجود نہیں ہے جو اس کی ذاتی پسند یا ناپسند میں رخنہ اندازی ڈال سکے۔"

"اور کرتی کیا ہے؟" امی نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ایک دفتر میں سیکریٹری ہے۔" ندیم پھر بول پڑا۔ "تنخواہ نہایت معقول ہے۔ لڑکی خاصی قبول صورت اور مشرقی حسن کا نمونہ ہے لیکن اس دفتر کا مالک۔ میرا خیال ہے کہ وہ کچھ زیادہ اچھا آدمی نہیں ہے۔"

"اور تم اس سے شادی کرو گے؟" امی نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"امی آپ بھی کس کی بات کا یقین کر رہی ہیں۔" میں نے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "وہ لڑکی انتہائی مخلص شریف اور ہزاروں خوبیوں کی مالک ہے۔"

"میں مانتا ہوں لیکن آنٹی کو ذرا یہ بھی بتاؤ کہ اس کا باس کتنا نیک اور شریف النفس واقع ہوا ہے اور کس کردار کا مالک ہے۔" ندیم نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "کم از کم میں تو اس شخص کو قابل بھروسا نہیں سمجھتا۔ آگے تم جانو اور تمہاری مرضی۔"

"شہباز بیٹے" امی کچھ اور سنجیدہ ہو گئیں۔ "مجھے تمہاری پسند پر کوئی اعتراض نہیں لیکن ایک ماں کی حیثیت سے اتنا حق تو ہے کہ اپنی ہونے والی بہو کے بارے میں معلومات حاصل کر سکوں۔ کیا وہ شادی کے بعد بھی ملازمت کرتی رہے گی؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے امی سے کہا۔ "شادی کے بعد اس کی حیثیت ملازموں جیسی نہیں رہے گی۔ وہ کاروبار میں برابر کی شریک بن جائے گی۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"میں سمجھاتا ہوں آنٹی آپ کو۔" ندیم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "دراصل وہ لڑکی جس کا نام عارفہ ہے شہباز کے دفتر میں روز اول سے سیکریٹری کی خدمات انجام دے رہی ہے۔ بڑی مخلص، دیانتدار اور محنتی لڑکی ہے۔ قبول صورت بھی ہے اور کئی موقعوں پر وہ ہمارے شہباز صاحب کے لیے جان کی بازی بھی لگا چکی ہے۔"

"تم نے تو مجھے ان باتوں سے ڈرا ہی دیا تھا۔" امی نے ندیم کو بڑے پیار سے گھرکی دی پھر مجھ سے بولیں۔ "اگر وہ لڑکی تمہیں پسند ہے تو مجھے بھی بغیر دیکھے پسند ہے لیکن میں ایک بار اس سے ملنا ضرور پسند کروں گی۔"

"ظاہر ہے۔" میں نے کہا۔ "بھلا آپ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تو کسی آسمان سے اتری ہوئی حور سے بھی شادی نہیں کر سکتا۔"

"کیا تمہارے اور اس کے درمیان بات طے ہو چکی ہے؟"

"جی نہیں۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "آخری فیصلہ آپ کو کرنا ہو گا اور جو سچ پوچھئے تو میں نے آج ہی پہلی بار اسے آپ سے ملنے کو کہا ہے۔"

"تمہیں اس سے پیار ہے؟"

"صرف اس حد تک وہ اپنے کام سے کام رکھتی ہے اور ہر اعتبار سے میرے معیار پر پوری اترتی ہے۔ کل کیا ہو گا یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا؟"

"لیکن میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں آنٹی کہ عارفہ ہمارے شہباز کے حق میں ایک آئیڈیل بیوی ثابت ہو گی اور اب آپ جیسی معزز اور محبت کرنے والی خاتون کے تو پاؤں دھو دھو کر پینا اپنے لیے اعزاز سمجھے گی۔"

"خدا نہ کرے۔" امی نے بڑے لاڈ سے کہا۔ "میں تو اپنی بہو کو سر آنکھوں پر بٹھا کر رکھوں گی۔"

امی بڑی دیر تک عارفہ کے بارے میں کرید کرید کر سوال کرتی رہیں۔ ندیم انہیں سنجیدگی سے بتاتا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ امی عارفہ کی تعریفیں سن کر اس کو پسند کرنے لگی تھیں۔ پھر ندیم نے اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈالی اور مجھے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہمیں ابھی کیسینو جا کر اپنے حلیوں میں ایسی تبدیلیاں کرنی تھیں کہ ایک دوسرے کو بھی نہ پہچان سکیں۔ آج کی درمیانی رات کو بھوشن کا کارندہ مریض بن کر پہنچ رہا تھا اور بھوشن کو قانون کے شکنجوں میں جکڑنے کا دارومدار ہماری کامیابی پر منحصر تھا۔

فلائیٹ نمبر ۳۳ کا ارائیول ٹائم بارہ بج کر پچاس منٹ پر تھا۔ ہم ایئرپورٹ پر ٹھیک گیارہ بجے پہنچ گئے۔ اگر ہم کیسینو سے ایک ساتھ نہ چلے ہوتے تو شاید ہمارے لیے ایک دوسرے کو شناخت کرنا بھی مشکل ہو جاتا۔ ندیم نے بڑی مہارت سے اپنا اور میرا میک اپ کیا تھا۔

بھوشن کا وہ مریض ہمارے لیے بہت اہم تھا۔ اس لیے ہم نے بنفس نفیس اس کی گرفتاری میں سراج کی مدد کی ٹھانی تھی۔ مجھے یقین تھا میرے اور ندیم کے علاوہ وہاں ندیم نے اپنے کچھ اور قابل اعتماد آدمیوں کو بھی ضرور متعین کیا ہو گا لیکن میں ماسٹر کی کے علاوہ کسی اور سے واقف نہیں تھا۔ اس لیے کہ ہو سکتا تھا کہ وہ بھی میک اپ میں ہی ہو۔ ماسٹر کی جو عام حالات میں ایک مفلوک الحال الحوائی نظر آتا تھا اس وقت تھری پیس سوٹ اور فرنچ کٹ داڑھی میں کسی اعلیٰ خاندان کا ایک صاحب حیثیت فرد نظر آ رہا تھا۔ اس نے چہرے پر سنہری فریم کی عینک لگا رکھی تھی اور منہ میں پائپ دبائے بڑے خوبصورت انداز میں پائپ پینے میں مصروف تھا۔

وقت گزاری کی خاطر ہم نے ایئرپورٹ کے ڈائننگ ہال کا انتخاب کیا جہاں اور بھی افراد موجود تھے۔ ماسٹر کی ہم سے تین چیئر چھوڑ کر بیٹھا تھا لیکن ہم سے اس طرح بے نیاز نظر آ رہا تھا جیسے اس سے پیشتر اس نے ہماری شکلیں بھی پہلے کبھی نہ دیکھی



ہوں۔ موسم میں خنکی ہونے کے باوجود وہ اس وقت ٹھنڈا فالودہ پینے میں مصروف تھا۔

"کیا ماسٹر کی کے علاوہ تمہارے کچھ اور آدمی بھی ایئرپورٹ پر موجود ہیں۔" میں نے کافی کا گھونٹ لیتے ہوئے مدھم آواز میں ندیم کو مخاطب کیا۔

"میں نے ان کی گنتی نہیں کی تھی لیکن میرا اندازہ ہے کہ ماسٹر کی نے ساتھ آدمیوں کو ضرور اہم مقامات پر متعین کیا ہو گا۔ وہ ایسے مواقع پر کسی مکڑی ہی کی طرح خوبصورت جال بننے کا عادی ہے۔"

"کیا اس وقت وہی ہمارے مشن کو کنٹرول کرے گا۔"

"صرف اس حد تک کہ ہمارے کسی آدمی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔" ندیم نے بے پرواہی سے کہا۔ "میں نے صرف ایک بات کی تاکید کی ہے۔ ہمارے کسی آدمی کو پولیس یا دشمن کے کسی آدمی کے ہاتھوں میں نہیں جانا چاہیے۔ خواہ اسے گولی کا نشانہ ہی کیوں نہ بننا پڑے۔"

"کیا اس وقت بھوشن کے آدمی بھی ایئرپورٹ پر موجود ہوں گے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ بھوشن کو اپنے اس قدر اہم اور قیمتی آدمی کی کوئی فکر لاحق نہ ہو گی۔"

مجھے اپنے سوال پر خود اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ظاہر تھا کہ جب ندیم نے اس مریض کے لیے اتنی رازداری سے کام لیا تھا تو بھوشن جوزف اس کے مقابلے میں زیادہ محتاط ہو گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ طاغوتی قوتوں کو کسی طرح ہمارے پروگرام کی بھنک مل گئی ہو اور انہوں نے بھوشن کو اس سے باخبر کر دیا ہو۔ ایسی صورت میں صرف دو ہی باتیں ممکن ہو سکتی تھیں۔ یا تو بھوشن نے مریض کی آمد کا پروگرام تبدیل کر لیا ہو گا یا پھر سراج کے ایکشن کے وقت شدید ٹکراؤ اور خون خرابا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" ندیم نے مجھے سنجیدہ دیکھ کر پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ بھوشن کے مریض کو گرفتار کرنے کے لیے سراج کو بڑی مہارت سے کام لینا ہو گا ورنہ شدید ہنگامے کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔"

"جہاں تین مختلف گروپ ایک ہی مقصد کے لیے زندگی اور موت کی بازی کھیلنے کو سرگرم عمل ہوں۔ وہاں سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ سراج اپنے ذرائع استعمال کر کے مطلوبہ شکار کو جہاز سے نیچے اترنے سے پہلے ہی دبوچ لیتا اور کسی دوسرے راستے سے ایئرپورٹ سے باہر نکال لے جاتا۔" میں نے دبی زبان میں کہا۔ "ایسی صورت میں ہنگامے کی صورت سے بچا جا سکتا تھا۔"

"نہیں۔" ندیم نے بڑے یقین سے جواب دیا۔ "تمہیں شاید ابھی تک بھوشن کے ہائی سرکل میں تعلقات کا علم نہیں ہے۔ سراج اگر کوئی خفیہ راستے کی خاطر حکومت کے کسی ادارے سے مدد مانگتا تو اس کی خبر بھوشن کو سب سے پہلے مل جاتی۔"

"میرا خیال ہے ہم اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔" ندیم چونکا۔

"ہمیں اتنا لمبا چوڑا کھڑاگ پھیلانے کے بجائے بھوشن کو ختم کرا دینا چاہیے تھا۔" میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

"پہلے میرے ذہن میں بھی خیال ابھرا تھا لیکن میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔ مقابلے پر آنے والے پہلوان کو اگر عوام کے سامنے اکھاڑے میں چت کیا جائے تو اس جیت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔"

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ اچانک ندیم کی دستی گھڑی پر جو ایک پاور فل ٹرانسمیٹر بھی تھی۔ مدھم آواز میں سگنل آنے شروع ہو گئے۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ میں ندیم کے برابر والی سیٹ پر ہونے کے باوجود اسے بمشکل سن سکا تھا۔ پھر میں نے ندیم کو سیدھا ہاتھ اٹھا کر اس پر جھکاتے دیکھا۔ اب دستی گھڑی اور اس کے منہ کا فاصلہ بہت کم ہو چکا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ندیم نے بدستور میری جانب دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ مجھ سے مخاطب ہو۔ میری پوری توجہ ندیم کے چہرے پر مرکوز تھی۔ ماسٹر کی چونکہ میرے سامنے والی میز پر تھا اس لیے میں اس کی حرکات و سکنات بھی دیکھ رہا تھا۔

"گلاؤ منسٹر اور بھوشن اس وقت وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہیں۔" گھڑی پر ماسٹر کی کی آواز سنائی دی۔ اس نے جیب سے رومال نکال کر اپنا منہ صاف کیا تھا۔

"کیا پروگرام ہے؟"

"پارسل۔"

"گڈ۔" ندیم نے سرگوشی کی۔ "لیکن کام اتنی احتیاط سے ہو کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

"او کے۔"

پھر ندیم نے اپنا ہاتھ دوبارہ میز پر رکھ لیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی بے پرواہ نظر آ رہا تھا۔

"پارسل سے ماسٹر کی کا کیا مقصد تھا؟" میں نے استفسار کیا۔

"کبھی کسی ایسی پہاڑی تفریح گاہ پر جانے کا اتفاق ہوا ہے جب وہاں برف پڑ رہی ہو۔" ندیم نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

aazzamm@yahoo.com

"حیرت ہے ورنہ یہ تو ایک عام سی بات ہے کہ جب برف باری کی وجہ سے راستے بند ہونے لگیں تو مخصوص گاڑیوں سے فوری طور پر راستہ صاف کر دیا جاتا ہے تاکہ ٹریفک کے نظام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو سکے۔"

"لیکن۔"

"فکر مت کرو۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "ہماری دنیا میں کوئی کام ناممکن نہیں سمجھا جاتا۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا پھر میری نظر اس بیرے پر پڑی جو ماسٹر کی کی میز پر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بل کا چرمی فولڈر موجود تھا۔ ماسٹر کی نے اسے کھول کر دیکھا پھر جیب سے کیش کارڈ نکال کر اس میں رکھ دیا۔ اس کے سامنے رکھے ہوئے فالودے کا گلاس خالی ہو چکا تھا۔

میرے ذہن میں اچانک ایک خیال تیزی سے ابھرا۔ ماسٹر کی ایک لمحے کو بھی اپنی میز سے نہیں اٹھا تھا۔ جس وقت ندیم نے دستی گھڑی پر سگنل موصول کیے تھے۔ اس سے ایک منٹ پہلے بھی وہی بیرا ماسٹر کی کی میز پر نظر آیا تھا۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ وہ بیرا بھی ہمارے مشن کا ایک اہم حصہ ہے۔ غالباً اسی کے ذریعے ماسٹر کی کو لاء منسٹر اور بھوشن کے وی آئی پی لاؤنج میں موجود ہونے کی اطلاع ملی تھی اور اب بل کی ادائیگی میں جو طریقہ کار اختیار کیا گیا تھا۔ وہ بھی دراصل کوئی اہم پیغام تھا۔

میری نظر بیرے پر جم کر رہ گئی۔ وہ کاؤنٹر پر جانے کے بجائے ایک دوسری میز پر رکا تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ کسی آرڈر لینے کی خاطر اس میز تک گیا تھا پھر وہ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے واپس ہو کر ماسٹر کی کو دوبارہ ریپر پیش کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ریپر لے کر دوبارہ کاؤنٹر کی جانب چلا گیا۔ ایک منٹ بعد ہی میں نے اس آدمی کو اٹھتے دیکھا تھا۔ بیرا جس کی میز پر رکا تھا پھر بیرے کی واپسی کے بعد ماسٹر کی بھی اپنا کیش کارڈ اور ریپر میں رکھی ہوئی رقم لے کر اٹھ گیا تھا۔

"کس نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"کیا تمہارے کارندے بہ آسانی لاء منسٹر اور بھوشن کو راستے سے ہٹا دیں گے؟" میں نے ندیم کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"قبل از وقت میں یقین سے نہیں کہہ سکتا البتہ میں نے ماسٹر کی کو شاید ہی اپنے کسی پلان میں ناکام ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"لاء منسٹر کی موجودگی نے یقینی طور پر سراج کو پریشانی میں مبتلا کر دیا ہو گا۔" میں نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"ضروری نہیں ہے۔" ندیم نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی فرض کی ادائیگی میں آسانی سے ہار تسلیم کرنے والا افسر نہیں ہے۔ ہاں اگر خود لاء منسٹر نے اسے کوئی اور ڈیوٹی سونپ دی تو وہ مجبور ہو جائے گا۔"

"خواہ کچھ بھی ہو بھوشن کے مریض کو ہر حالت میں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔" میں نے تلملا کر کہا۔ "اگر سراج کو اس فرض کی ادائیگی سے روک دیا گیا تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔"

"تم کس حیثیت میں اس پر ہاتھ ڈالو گے؟" ندیم نے سوال کیا۔

"یہ بعد میں سوچا جائے گا لیکن میں اسے ہاتھ سے نکلنے نہیں دوں گا۔"

"جذباتی ہونے کی حماقت مت کرنا ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔"

"تو کیا وہ مریض۔"

"فکرمند نہ ہو اگر وہ پولیس کے جال میں نہ پھنسا تو ہمارے آدمی بھی اسے ٹھکانے لگا سکتے ہیں۔" ندیم نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "چلو اٹھو ہمیں نیچے چل کر بھی حالات کا جائزہ لینا ہو گا۔"

میں ندیم کے ساتھ نیچے آ گیا۔ اس وقت بارہ بج کر چودہ منٹ ہوئے تھے۔ فلائٹ نمبر ۳ کے آنے میں اب صرف پینتیس منٹ باقی رہ گئے تھے۔ ہم نے لوگوں کے ہجوم پر نظر ڈالی۔ ادھر ادھر گھوم کر دیکھا لیکن سراج یا پولیس کے محکمے کا کوئی فرد نظر نہیں آیا۔ میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ مریض کو کسی قیمت پر بھی بھوشن کے مشن کی کامیابی کا سبب نہیں بننے دوں گا۔ بھوشن جوزف سے براہ راست میری کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن وہ طاغوتی قوتوں کے اشارے پر مجھے نیچا دکھانا چاہتا تھا اور مجھے اپنی شکست منظور نہیں تھی۔

پھر مائیک پر فلائٹ لینڈ کرنے کا اعلان ہوا تو میرے علاوہ ندیم کی تشویش بھی بڑھ گئی لیکن اسی وقت میری نظر سراج پر پڑی جو اپنی جیپ سے اتر کر لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ تنہا تھا۔ کوئی دوسرا آدمی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ یا تو یوں ہی روٹین چیک کے ارادے سے ادھر آنکلا ہو یا پھر اسے کسی بڑے آفیسر کو ریسیو کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

"تمہارے سراج صاحب بھی خاصے سمجھدار ہوتے جا رہے ہیں۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ وہ یہی طریقہ اختیار کرے گا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے ماتحت سادہ لباس میں پہلے ہی سے ہجوم میں موجود ہوں گے وقت پڑنے پر سامنے آ جائیں گے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جہاز کے مسافروں کی آمد شروع ہو چکی تھی اور میری نظریں ان میں کسی مریض کو تلاش کر رہی تھیں جو ہمیں مطلوب تھا پھر یکلخت میری نگاہیں چمک اٹھیں۔ دو ہٹے کٹے آدمی ایک وہیل چیئر پر بیٹھے ایک ایسے مریض کو ساتھ لا رہے تھے جو ماسٹر کی کی انفارمیشن پر پورا اترتا تھا۔ میرے اعصاب میں کھنچاؤ کی کیفیت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ میں نے جیب میں پڑے ہوئے اپنے آٹومیٹک ریوالور کو چیک کیا



جس پر سائلنسر بھی فٹ تھا۔

"یہی ہے ہمارا مطلوبہ مریض۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ جو ہٹے کٹے آدمی اسے لا رہے ہیں یہ بھوشن ہی کے خاص آدمی ہوں گے لیکن کسٹم آفیسر کو شاید اوپر سے ہدایت ملی ہو گی کہ وہ اس مریض کو اپنی نگرانی میں شیڈ سے باہر تک بحفاظت پہنچا دے۔"

میں نے ندیم کی بات کا جواب دینے کے بجائے پلٹ کر پارکنگ لاٹ کی سمت دیکھا جہاں دو ایمبولینسیں بیک وقت موجود تھیں۔ ایک پر ریڈ کراس کا نشان تھا اور دوسری کسی پرائیویٹ رفاہی ادارے کی تھی۔ مریض کو شاید ان ہی دونوں میں سے ایک پر جانا تھا۔ میری نظر سراج پر پڑی جو آہستہ آہستہ اس کی جانب قدم بڑھا رہا تھا جہاں سے مریض کو باہر لایا جانا تھا۔ وہاں بھی لوگوں کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ مریض کی جسمانی کیفیت اور چہرے پر چھائی ہوئی زردی اس بات کی غمازی کر رہی تھی کہ وہ اپنے قدموں سے دو قدم چلنے سے بھی مجبور تھا۔ ندیم نے بھی اسی کی طرف قدم اٹھا دیے۔ میں نے اس کی پیروی میں جلدی نہیں کی تھی کسی خیال کے تحت میں ان دونوں ایمبولینسوں کے قریب آ کھڑا ہوا۔ ریڈ کراس کی ایمبولینس میں ایک باوردی ڈرائیور موجود تھا جب کہ دوسری ایمبولینس کی ڈرائیونگ سیٹ پر نظر پڑتے ہی میرے خون کی گردش تیز ہو گئی۔ وہ ماسٹر کی کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا لیکن اس وقت وہ تھری پیس میں اور فرنچ کٹ داڑھی کے بجائے اپنے اسی حلیے میں تھا جس میں میں نے اسے پہلی بار ندیم کی گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھے دیکھا تھا۔ اس وقت بھی وہ لاپرواہی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

جس وقت وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا مریض شیڈ سے باہر آیا اس سے پہلے سراج نے آگے بڑھ کر کسٹم آفیسر سے کوئی بات کی تھی۔ میں دور تھا اس لیے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو نہ سن سکا لیکن سراج کے جواب میں کسٹم آفیسر نے جیب سے ایک ہی کاغذ نکال کر سراج کو دکھا دیا تھا اور وہ ہونٹ چباتا ہوا دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں ہٹے کٹے آدمیوں کے ہونٹوں پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ ہجوم کے درمیان سے وہیل چیئر کو چلاتے ہوئے ریڈ کراس والی ایمبولینس کی جانب بڑھ رہے تھے کہ اچانک ان میں سے ایک کی کنپٹی سے خون کا فوارہ چھوٹ نکلا اور دوسرے ہی لمحے وہ لہرا کر فرش پر لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ دوسرے شخص نے پھرتی دکھانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا انجام بھی پہلے سے مختلف نہیں ہوا۔ ہجوم سے چلائی جانے والی گولی اس کی پیشانی پر لگی اور وہ اوندھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ کسٹم آفیسر بوکھلا کر تین چار قدم پیچھے ہو گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ حیرت انگیز تھا۔ ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی اور اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے کئی آدمی لقمہ اجل بنتے چلے گئے۔ مریض اس وقت بھی گردن جھکائے وہیل چیئر پر بیٹھا لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

غالباً بھوشن، سراج اور ندیم کے سادہ لباس والے آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ ائرپورٹ پر موجود پولیس اور سیکورٹی کا عملہ بھی خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ گولیاں مختلف سمت سے چل رہی تھیں۔ فائرنگ سائلنسر لگے ہوئے اسلحے سے ہو رہی تھی اس لیے کسی ایک سمت کا تعین کرنا ممکن نہ تھا۔ میں نے سراج کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ کسٹم آفیسر کے ساتھ ہی کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک لاؤنج میں لگے ہوئے سارے مائیک جاگ اٹھے۔

"حالات پر قابو پانے اور مجرموں کو پکڑنے کے لیے ضروری


اسلم راہی ایم۔اے
کے تاریخی ناول

اندھیروں کے سادبان 200/-
تاریک رزم گاہ 200/-
عقیلہ کا مجاہد 150/-
عقاب 150/-
صحرا کی آگ 150/-
قتیبہ بن مسلم 150/-
موت کے مسافر 150/-
یثرب کا ابلیس 150/-
سنہری غول 150/-

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2


aazzamm@yahoo.com

ہے کہ ونٹرز لاؤنج بالکل خالی کر دیا جائے۔ اس لیے تمام حضرات سے التماس ہے کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے لاؤنج سے کم از کم سو گز کے فاصلے پر چلے جائیں۔"

اس اعلان نے مسافروں اور ان کے لواحقین میں افراتفری پھیلا دی وہ اپنا ساز و سامان چھوڑ کر منہ اٹھائے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ ندیم مجھے کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے لیے اب وہاں کھڑا رہنا مشکل تھا اس لیے میں قدم اٹھاتا ہوا اس ایمبولینس کے قریب چلا گیا جس پر اس وقت بھی ماسٹر کی بے پرواہی سے بیٹھا لوگوں کی بھگدڑ کا تماشا دیکھ رہا تھا۔

ہجوم کائی کی طرح چھٹ رہا تھا کہ میں نے چار آدمیوں کو دیکھا جو بڑی بے جگری سے وہیل چیئر کی جانب قدم بڑھا رہے تھے کہیں قریب سے یکے بعد دیگرے دو فائر ہوئے لیکن ان چاروں کی رفتار میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ شاید انہوں نے بلٹ پروف پہن رکھے تھے۔ میں تیزی سے لپک کر ماسٹر کی والی ایمبولینس میں سوار ہو گیا۔

"تمہیں ندیم کی جانب سے کیا ہدایت ملی ہے۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"سوری۔" اس نے بدستور بے پرواہی سے جواب دیا۔ "میں باس کے علاوہ کسی اور کو جواب دہ نہیں ہوں۔"

"ایسی صورت میں ہمارے مطلوبہ مریض کو مخالف پارٹی کے لوگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" میرے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

"پھر میں کیا کر سکتا ہوں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"تم ایمبولینس کو فٹ پاتھ سے چڑھا کر لاؤنج میں مریض کے قریب لے چلو۔ میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"لیکن....."

"وقت مت ضائع کرو۔" میں نے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر کوئی ایکشن کرنا ہو گا ورنہ ہم اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"مسٹر ندیم کی ہدایت تھی کہ آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ میں ندیم کو جواب دے دوں گا۔"

ماسٹر کی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ کسی آخری فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ماسٹر کی۔" میں نے جیب سے اپنا آٹومیٹک ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا تم کو یہاں اس وقت اس ایمبولینس میں بلا مقصد کھڑے رہنے کا حکم ملا ہے۔"

"نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "باس کے حکم کے مطابق نمبر تھری کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ مریض کو میری ایمبولینس تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد مجھے اسے باس کے بتائے ہوئے ایڈریس تک پہنچانا تھا۔"

"میں ہی نمبر تھری ہوں۔" میں نے سوچے میں ایک آخری چانس لیا۔ شاید میں ماسٹر کی کے لیے صرف نمبر تھری کا پاس ورڈ ہی مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس نے میری سمت دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر یقینی جھلک رہی تھی لیکن اس کے باوجود وہ عمل کرنے پر مجبور ہو گیا۔

لاؤنج میں ابھی تک موت اور زندگی کا کھیل جاری تھا۔ چاروں افراد جو مریض کی جانب بڑھ رہے تھے ان پر متواتر گولیاں برس رہی تھیں لیکن ابھی تک انہیں نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ماسٹر کی نے تیزی سے ایمبولینس کو ایک ذرا سا بائیں جانب کاٹا پھر تیزی سے فٹ پاتھ پر چڑھاتے ہوئے بولا۔ "میں دھواں پھیلانے والا بم پھینک رہا ہوں۔ اسی عرصے میں ہمیں مریض کو اغوا کر لینا ہو گا۔ اگر ذرا دیر ہو گئی تو پھر ہم میں سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا۔"

"میں ایکشن کے لیے بالکل تیار ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

ایمبولینس تیزی سے ریورس گیئر میں مریض کے قریب ہو رہی تھی پھر اس سے پیشتر کہ مخالف پارٹی کوئی جوابی کارروائی کرتی ایک زور دار دھماکہ ہوا اور چاروں طرف دھوئیں کے بادل منڈلانے لگے۔ میں تیزی سے ایمبولینس سے کودا اور پھر شاید میری قسمت ہی اچھی تھی جو میں ان چاروں سے ٹکرائے بغیر مریض تک پہنچ گیا۔ میں نے ایک ہی جھٹکے میں اسے وہیل چیئر سے اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور سانس روکے روکے ایمبولینس میں داخل ہوتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولا۔

"جلدی چلو۔ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"براوو۔" ماسٹر کی نے خوشگوار لہجے میں جواب دیا پھر ایمبولینس کو آندھی اور طوفان کی طرح دوبارہ سڑک پر لے آیا۔ سڑک پر آتے ہی اس نے اپنی رفتار خطرناک حد تک بڑھا دی تھی لیکن کچھ گاڑیاں ہمارے تعاقب میں لگی ہوئی تھیں اور خود کار آتشی اسلحہ سے ہمیں روکنے کی خاطر گولیوں کی بارش شروع ہو چکی تھی۔


رومانی ناول

| | | |
|---|---|---|
| زیب | حمیدہ جبین | 75/- |
| شاخ بریدہ | حمیدہ جبین | 75/- |
| حنا اور پتھر | حمیدہ جبین | 75/- |
| گیت یہ میرے | حمیدہ جبین | 75/- |





# نور جہاں

★ ------ الماس ایم۔اے

مرزا غیاث بیگ ایرانی کی بیٹی

آصف جاہ کی بہن اور

شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر کی محبوب ترین بیگم --------

-------- جس کے چشم و ابرو کے اشارہ سے امیروں اور فقیروں کی تقدیریں بدل جاتی تھیں۔ جس کی پیشانی کی شکنیں نظام سلطنت کو درہم برہم کر دیتی تھیں۔ عقل و فراست، عزم و استقلال، جلال و جمال اور حسن و سیرت اور حسن صورت کا دلفریب شاہکار --------

ناشر: مکتبہ القریش اردو بازار۔ لاہور 2 قیمت: -/75 روپے


ٹریفک کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا تھا۔ پولیس کی پٹرول کار اور سیٹیوں کی آواز گونج رہی تھی لیکن ان پر قتل کرنے کو کوئی پارٹی بھی تیار نہیں تھی۔ وہ مریض بورش کے لیے اتنا ہی اہم تھا کہ اس کے آدمی پاگل کتوں کی طرح ہماری بوٹیاں نوچ ڈالنے کی خاطر لپکے چلے آ رہے تھے۔ میں مریض کے ساتھ پچھلی نشست پر تھا۔ اس کی حالت اب غیر ہونے لگی تھی اس لیے میں نے اسے چیت پر چت لٹا دیا۔ اس کی آنکھیں اب ہونقوں کی طرح کھلی ہوئی تھیں اور چہرے پر موت کی سائے منڈلا رہے تھے۔ شاید ساری پوزیشن اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اسی لیے وہ بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ بچ جانے کی صورت میں بھی اسے اپنی موت ہی کا خطرہ لاحق تھا۔

"باہر کی پوزیشن کیا ہے؟" میں نے ماسٹر کی سے دریافت کیا۔

"وہ ابھی تک ہمارے تعاقب میں دیوانوں کی طرح لگے ہوئے ہیں۔"

"کیا ایمبولینس میں کوئی خود کار اسلحہ بھی موجود ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں جوابی فائرنگ کر کے انہیں روکنے کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔"

"اس کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اس لیے کہ میں درمیانی فاصلہ برابر بڑھاتا جا رہا ہوں۔" ماسٹر کی نے بڑی بے پرواہی سے جواب دیا۔ "شہری حدود سے باہر نکلنے کے بعد وہ ہماری گرد کو بھی نہیں پا سکیں گے۔ اس کے علاوہ گاڑی بھی بلٹ پروف ہے کوئی گولی اس پر اثر نہیں کر سکے گی۔"

"پانی۔" اچانک مریض نے کراہتے ہوئے کہا۔ ناہموار زمین پر گاڑی کے ہچکولوں نے یقیناً اس کے سارے انجر پنجر ڈھیلے کر دیے ہوں گے۔

"گھبراؤ نہیں۔" میں نے تسلی دی۔ "تمہاری منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"

"تم۔ تم کس پارٹی کے آدمی ہو؟" مریض نے مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور میں نے جلدی سے جیب میں رکھے ہوئے پاور فل ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آن کر دیا۔ اس کی گفتگو ہمارے لیے بہت اہم ثابت ہو سکتی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" اس بار میں نے قدرے بدلی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم باس کی پارٹی کے آدمی نہیں ہو۔"

"باس سے تمہاری مراد غالباً بورش جوزف سے ہے۔" کیوں؟" میں نے سوچے میں سوال کیا۔

"ہم۔ گویا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔" وہ موہ آواز میں بولا پھر گاڑی کی چھت کو گھورنے لگا۔

aazzamm@yahoo.com

"تمہارا اندازہ کیا ہے؟ کچھ بتاؤ۔"

"صحت۔ تم بھوشن کے آدمی نہیں ہو سکتے ورنہ۔" وہ کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا۔

"تم نے ٹھیک نتیجہ اخذ کیا ہے۔" میں سنجیدگی سے بولا۔ "ہمارا تعلق کسی دوسری پارٹی سے ہے۔"

"پولیس یا کسٹمز؟" وہ چونکا تھا۔

"کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن تمہیں ایک بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ اب تمہاری زندگی کی صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جو بھی اصلیت ہے اسے سیدھی طرح اگل دو ورنہ ہم ٹیڑھی انگلیاں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہم۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ تم ایک مریض کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔"

"تم مریض ضرور ہو لیکن ہمارے لیے لاکھوں اور کروڑوں کی آسامی ہو۔"

"کک۔ کیا مطلب؟"

"سیدھی سی بات ہے۔ راز۔ آپریشن۔" میں نے سفاک اور معنی خیز لہجہ اختیار کیا۔ "کیا اب بھی تمہیں کسی مزید حوالے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

"اگر تم اس حد تک جانتے ہو تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے موت سے نہیں بچا سکے گی۔"

"ہم تمہاری زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں، لیکن ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم نے اب تک بھوشن جوزف کے لیے ناجائز تجارت کے سلسلے میں جو بھی خدمات انجام دی ہیں وہ شرافت سے اگل دو۔"

"اس سے کیا حاصل ہو گا؟"

"زندگی۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہم خفیہ طور پر تمہارا علاج کرانے کے بعد اپنے ذرائع سے کسی ایسے آزاد علاقے میں بھیج دیں گے جہاں بھوشن کے فرشتے بھی پر نہیں مار سکتے۔"

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیدھی ٹانگ، ران اور آپریشن کے حوالے کے بعد وہ سمندری جھاگ ہی کی مانند بیٹھ گیا تھا۔ باہر سے اب بھی گولیوں کی آواز آ رہی تھی لیکن اس کی شدت میں بتدریج کمی ہو رہی تھی۔ ماسٹری ہر لمحہ ایمبولینس کی رفتار بڑھاتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک لمحے کے لیے اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس وقت بھی بالکل بے پروا نظر آ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو مائی ڈیئر؟" میں نے دوبارہ مریض کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔ ہمارے ساتھ تعاون کرو۔"

"تمہارا تعلق۔؟"

"پریشان مت ہو۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "ہمارا تعلق کسی قانونی ایجنسی سے نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"ہمیں بھی بھوشن ہی کی لائن کا آدمی سمجھو۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ "اس باسٹرڈ کے ہاتھ لمبے ہیں اس لیے وہ متعدد بار ہمیں چھوٹے بڑے نقصان پہنچا چکا ہے لیکن اب ہماری باری ہے۔"

"تم بھوشن کو شاید پوری طرح نہیں جانتے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "اگر اسے شبہ بھی ہو گیا تو وہ تمہیں اور تمہارے آدمیوں کو چن چن کر مار دے گا۔"

"ہم دونوں جس راستے پر چل رہے ہیں اس میں موت اور زندگی کا کھیل ہونا قدرتی بات ہے مگر تم کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اب تم پوری طرح ہمارے جال میں پھنس چکے ہو۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" اس نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔

"تم کب سے بھوشن کے لیے کام کر رہے ہو؟"

"دو سال سے۔"

"تمہارے ذمے کیا کام ہے؟"

"بیرونی منڈیوں سے ہیرے اور جواہرات اسمگل کرنا۔"

اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "طریقہ کار کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ تمہیں ہو چکا ہے۔ ویسے کیا تم یقین کرو گے کہ اگر اس بار میں بچ جاتا تو پھر مجھے اس گندے فرائض کی انجام دہی کے لیے مجبور نہ کیا جاتا۔"

"مکمل وضاحت کرو۔"

"یہ میرا چوتھا پھیرا تھا اور جس سرجن نے میرا آپریشن کیا تھا اس نے بھوشن کو یقین دلایا تھا کہ اگر پانچویں بار آپریشن ہوا تو زندہ نہ بچ سکوں گا۔ شاید اس لیے کہ وہ آپریشن کے بعد میرے اوپر کچھ ایسی ادویات کا استعمال کرتے تھے جو میرے لیے زہر سے کم نہیں تھیں۔" اس نے ایک لمحے کو سانس لیا پھر گفتگو جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "آپریشن کے بعد میرے اوپر غنودگی طاری ہو جاتی ہے پھر مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے میرا پورا جسم مفلوج ہو گیا ہو۔"

"لیکن اس وقت تو تم ہوش مندوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔" میں نے اسے مشتبہ نظروں سے گھورا۔

"میرے اعصاب چونکہ چار آپریشنوں کے بعد خاصے کمزور ہو گئے تھے اس لیے اس بار مضر رساں ادویات کم مقدار میں استعمال کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی تین بار کی شاندار

کامیابی کے بعد اس باسٹرڈ بھوشن کو شاید اس بات کا یقین ہو گیا کہ کوئی اس پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت نہیں کرے گا۔ اگر تم واقعی اس کے مخالف پارٹی کے فرد ہو تو یہ بھی ضرور جانتے ہو گے کہ اس کے مراسم کتنے اوپر تک ہیں۔"

"تم بھوشن کے جال میں کس طرح پھنسے تھے؟" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا تم پہلے سے ہی ناجائز تجارت کے کاروبار میں ملوث تھے؟"

"نہیں۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا اس کے چہرے پر شدید کرب اور حقارت کے ملے جلے تاثرات ابھرے تھے۔

"پھر تم اس کے لیے کام کرنے پر آمادہ کیوں ہو گئے؟ لمبے کمیشن کی لالچ؟"

"مجبوری۔" اس نے نفرت سے تھوک دیا پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا۔ "میں تم کو اس ولد الحرام کے ضمن کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔ اس کام کے بعد اگر میں مر بھی گیا تو مجھے اپنی موت پر کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"صرف۔ تمہیں میری بیوی کو اس کی قید سے آزاد کرانے کا وعدہ کرنا ہو گا۔"

"تمہاری بیوی؟"

"ہاں۔" اس نے حقارت سے جواب دیا۔ "آج سے دو سال پہلے میں اس حرامی کتے کا ڈرائیور تھا۔ وہ سور کا تخم مجھ پر بہت بھروسا کرتا تھا۔ دن رات مجھے اس کی خدمت انجام دینی پڑتی تھی اس لیے اس نے ملازمت کے کچھ دنوں بعد ہی مجھے اپنے بنگلے میں ایک سرونٹ کوارٹر دے دیا اور اس کے بعد — اس کے بعد اس حرام زادے کی نظر میری بیوی پر پڑ گئی جو بہت خوبصورت اور معصوم تھی۔ عورت کے سلسلے میں وہ ماں کا خصم اتنا بدنیت واقع ہوا ہے کہ شاید نشے کی حالت میں اپنی بہن کی شناخت بھی نہ کر پائے۔ میری معصوم بیوی کو برباد کرنے کے بعد اس مردود نے کچھ تصویریں بھی بنالی تھیں جس کے ذریعے وہ مجھے آج تک بلیک میل کر رہا ہے۔"

"تمہاری بیوی کہاں رہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔ باہر سے گولیوں کی آواز آنی بند ہو چکی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم کہ اس۔۔ نے اس غریب کو کہاں رکھا ہے؟ لیکن اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس پھیرے کی کامیابی کے بعد وہ اسے آزاد کر دے گا۔"

"کیا اس کی آزادی کے بعد تم اسے قبول کر لیتے؟" میں نے بھٹکتا ہوا انداز اختیار کیا۔

"ہاں۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر جواب دیا پھر بڑے کرب سے بولا۔ "یہ اور بات ہے کہ اس کے بعد میں اسے گولی مار کر اپنا خاتمہ بھی کر لیتا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ اس بار کی کامیابی کے بعد تمہاری بیوی تمہیں واپس مل جاتی؟"

"کیا مطلب؟" اس نے وضاحت طلب نظروں سے میری سمت دیکھا۔

"میرا خیال ہے کہ ناجائز تجارت میں جو افراد کام کے نہیں رہ جاتے ان کی حیثیت بھی ریس کے گھوڑوں جیسی ہوتی ہے جنہیں گولی مار کر زندگی کی قید سے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا جاتا ہے۔" میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری بیوی کو اپنا کام نکل جانے کے بعد پہلے ہی ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

مریض کی نگاہوں میں نفرت کے شعلے ناچ اٹھے پھر اس نے مجھے بھوشن جوزف کے بارے میں اپنی ایک ایک معلومات سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ "کیا تم میری ایک آخری خواہش پوری کر دو گے؟"

"وہ کیا؟"

"میں اس سور کے بچے کو اپنے ہاتھوں سے گولی مارنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری یہ خواہش حالات کے عین مطابق ہے۔ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے لیکن تمہیں کچھ دنوں تک ہماری قید میں رہنا پڑے گا۔" میں نے کہا۔ "اس وقت تک کے لیے جب تک بھوشن تمہاری تلاش میں تھک کر ہار نہیں جاتا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کیا تمہارا نام ہری رام ہے؟"

"تمہیں یہ نام کہاں سے معلوم ہوا؟"

"پسنجر لسٹ سے۔" میں نے اپنے فرضی سوال کو نبھانے کی خاطر کہا۔

"میں کسی ہری رام سے واقف نہیں ہوں۔ میرا نام شیام ہے۔ کرشن شیام۔" اس نے سوچ لہجے میں جواب دیا۔

ٹھیک اسی وقت ایمبولینس کو اتنا شدید جھٹکا لگا کہ مریض کو اگر میں نے بروقت سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ اچھل کر فرش پر گرا ہوتا۔ خود میں بھی اپنی پوزیشن برقرار نہ رکھ سکا۔ اسٹیئرنگ میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ میں نے مریض کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ غالباً وہ بے ہوشی کی حالت سے دوچار ہو گیا تھا۔

"اب پریشانی کی بات نہیں ہے۔" ماسٹری کی آواز ابھری۔ "ہم کچے راستے پر اتر چکے ہیں۔"

"دور دور تک ہمارا تعاقب کر رہے تھے؟" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"ان کا اب دور دور تک کوئی نشان نہیں ہے۔" ماسٹری

aazzamm@yahoo.com

نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا تھا۔ میں نے ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آف کر دیا۔

☆

ایمبولینس ایک زمین دوز کشادہ کمرے میں جا کر رکی تھی۔ غالباً وہاں کے دروازے ریموٹ سے کنٹرول کیے جاتے تھے جو گاڑی کسی بھی جگہ نہیں رکی تھی۔

میں نے نیچے اتر کر دیکھا۔ وہ کمرا بیک وقت بیڈ روم بھی تھا اور ڈرائنگ روم بھی کرشن شرما کو میں نے ماسٹر جی کی مدد سے گاڑی سے نیچے اتار کر بستر پر لٹا دیا۔ وہ ابھی تک بے ہوشی کی کیفیت سے دوچار تھا اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا اگر میں نے اس کی گفتگو ٹیپ نہ کی ہوتی تو یقیناً مجھے اس کی بے ہوشی کی تشویش ہوتی لیکن اب میں زیادہ پریشان نہیں تھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا؟" میں نے ماسٹر جی سے پوچھا۔

"اگر کیا گیا ہوتا تو اب تک شاید یہ عمارت ایک دھماکے سے ختم ہو چکی ہوتی۔" ماسٹر جی نے کہا۔ "تم شاید بھوشن کی پالتی اور اس کے پالتو شکاری کتوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ پاتال میں بھی اپنے شکار کو زندہ رہنے کی مہلت نہیں دیتے۔"

"کیا یہاں کسی ڈاکٹر یا سرجن کا فوری طور پر بندوبست نہیں ہو سکتا؟"

"کیوں؟"

"یہ مریض ہمارے لیے بہت اہم ہے۔ اگر یہ مر گیا تو ایک کار آمد گواہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔" میں نے اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی بے ہوشی میرے لیے پریشان کن ہے۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" ماسٹر جی نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر بڑے سفاک لہجے میں مریض کی سمت گھورتے ہوئے بولا۔ "ویسے بھی باس کا حکم تھا کہ اسے اغواء کرنے کے بعد گولی مار دی جائے۔"

"لیکن ہیرے جواہرات کا ثبوت؟"

"فکر مت کرو۔" اس نے بدستور مریض کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ابھی کچھ دیر میں یہاں ایک سرجن اور کیمرا مین بھی پہنچنے والے ہیں۔ ہم اس کی باقاعدہ مووی بنائیں گے اور سرجن اور مووی بنانے والے ہمارے گواہ ہوں گے۔"

"لیکن۔۔؟"

"سوری۔ میں باس کے حکم کا پابند ہوں۔ ویسے بھی اس مریض کی اہمیت ہمارے لیے ختم ہو چکی ہے۔"

پھر میں نے دیکھا کہ کرشن ورما نے بڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی نگاہوں میں موت کے سائے سمٹ آئے تھے۔

"نہیں۔ نہیں۔" وہ ہذیانی انداز میں بولا۔ "مجھے گولی مت مارو۔ صرف میری آخری خواہش پوری کر دو۔ اس کے بعد تم کہو گے تو میں خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا۔ اگر میں مر گیا تو میری آتما گیتا کے لیے بھٹکتی پھرے گی۔"

"گیتا؟" میں نے اسے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"میری دھرم پتنی کا نام ہے۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا۔

"گھبراؤ نہیں۔ ہم تمہیں اتنی آسانی سے نہیں مرنے دیں گے۔" ماسٹر جی نے مسکرا کر کہا۔ "میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم واقعی بے ہوش ہو یا بے ہوشی کا ڈھونگ رچا کر ہماری باتیں سننا چاہتے ہو۔"

کرشن ورما نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم واقعی حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہو۔" میں نے ماسٹر جی کو تعریفی نظروں سے دیکھا۔

"لیکن کبھی کبھی حالات کے پیش نظر میں بچوں کی بات پر بھی مجبوراً یقین کر لیتا ہوں۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نبر تھی نہیں ہو۔" ماسٹر جی نے کہا۔ "باس بھی میری طرح کوئی کام ادھورا نہیں کرتا۔ نبر تھری کی شناخت مجھے ائرپورٹ پہنچنے سے پہلے کرا دی گئی تھی۔"

"پھر؟"

"حالات ہی ایسے تھے کہ مجھے تمہارے کہنے پر عمل کرنا پڑا۔" اس نے کہا۔ "اس وقت زیادہ سوچنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ ایک لمحہ ضائع ہو جاتا تو شاید ہماری کامیابی ناکامی میں بدل چکی ہوتی؟"

"بھوشن اور لالہ منسٹر کیا بچی؟" میں نے اپنی معلومات کی خاطر پوچھا۔

"انہیں وی آئی پی لاؤنج میں جو مشروب پیش کیا گیا تھا اس میں بے ہوشی کی دوا بھی شامل تھی چنانچہ وہ اس وقت کسی بڑے ہسپتال کے وی آئی پی روم میں اطمینان سے پڑے بے ہوشی کی نیند سو رہے ہوں گے۔"

ہمارے درمیان ابھی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ کمرے میں یکلخت سبز رنگ کی روشنی کا تیز جھماکا ہوا۔ میں اچھل کر ایک قدم پیچھے ہو گیا۔ میری گرفت جیب میں پڑے ہوئے آٹومیٹک پر مضبوط ہو گئی۔

"گھبراؤ نہیں میرے دوست۔" ماسٹر جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک کمرے کا سگنل تھا جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہمیں اب کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے اور غالباً ہمارے مطلوبہ آدمی بھی باہر موجود ہیں۔"

پھر اس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ ماسٹر جی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دروازے پر چھ عدد افراد موجود تھے جن میں سے دو کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور تین نقاب پوش

میں سب مشین گن لیے ان کو کور کیے کھڑے تھے۔ ان کے اندر آتے ہی خودکار دروازہ پھر بند ہو گیا پھر ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر دونوں افراد کی آنکھوں کی پٹیاں کھول دیں۔ وہ دونوں ہی پھٹی پھٹی نظروں سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان کے چہروں پر خوف اور دہشت کی تمام تر علامتیں پوری شدت سے موجود تھیں۔ ان میں ایک شخص جو سوٹ میں ملبوس تھا اور صورت و شکل سے صاحب حیثیت نظر آ رہا تھا اس کی نگاہیں بستر پر پڑے مریض پر جم گئیں۔ شاید اب وہ زبردستی وہاں لائے جانے کا مقصد سمجھ گیا تھا۔

"وقت مت ضائع کرو سرجن داؤدی۔" ماسٹر جی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ حالات کے تقاضے ہی کچھ ایسے تھے کہ ہمیں تمہیں زبردستی یہاں لانا پڑا۔ عام حالات میں شاید تم بھی ہمارے لیے خدمت انجام دینے پر آمادہ نہ ہوتے۔"

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟" وہ شخص جسے سرجن داؤدی کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہارے اس مریض کا ایک چھوٹا سا آپریشن۔" ماسٹر جی نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس کی ایک ران پر آپریشن کے ٹانکے لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں ان ٹانکوں کو کھول کر اندر کے زخم کی صفائی کرنی ہو گی۔"

"اور یہ مووی کیمرا۔"

"یہ تمام صورت حال کی منظر کشی کرے گا تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔"

"آئی۔ سی۔" سرجن داؤدی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ یقینی طور پر کسی غیر قانونی کام میں ملوث ہو اور مجھے بھی اس میں شریک ظاہر کر کے بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔"

"بات اگر غیر قانونی نہ ہوتی میرے دوست تو اس وقت یہ مریض یہاں ہونے کے بجائے تمہارے آپریشن تھیٹر میں ہوتا۔" ماسٹر جی نے بڑی صاف گوئی سے جواب دیا۔ "رہا تمہیں اپنے جرم میں شریک کر کے بلیک میل کرنے کا مسئلہ تو میرے تینوں نقاب پوش بھی آپریشن کے وقت تمہارے اردگرد مشین گنیں تانے کھڑے ہوں گے کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہو گا کہ تمہیں خودکار اسلحہ کے زور پر یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا گیا ہے۔"

سرجن داؤدی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ شاید اسے یقین ہو گیا کہ اسے جس مقصد کے لیے اغواء کیا گیا تھا اس کی تکمیل کیے بغیر اس کی گلوخلاصی نہ ہو گی۔ وہ مریض کے قریب جا کر اس ران کا معائنہ کرنے لگا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مووی بنانے والے کی حالت غیر ہو رہی تھی وہ کیمرے سے کھیل نہیں بلکہ خوف کا آری ایکشن تھا جس کی باعث وہ

کانپ رہا تھا۔

"خود کو سنبھالو مسٹر۔" ماسٹر جی نے سرد لہجے میں مووی والے کو مخاطب کیا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں ہمیشہ کے لیے تمہاری چھٹی کر کے تمہارا کام اپنے کسی آدمی کو سونپنا پڑے۔"

"ن۔ نہیں۔" وہ جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"تم جو چاہو گے میں وہی کروں گا۔"

ایک نقاب پوش نے میڈیکل بکس سرجن داؤدی کے قریب لے جا کر رکھ دیا پھر وہ تینوں رائفلیں تھامے اردگرد کھڑے ہو گئے۔ میں خاموش کھڑا ماسٹر جی کی صلاحیتوں پر غور کر رہا تھا جس نے بھوشن کے خلاف ثبوت جمع کرنے کے لیے ایک انتہائی موثر طریقۂ کار اختیار کیا تھا۔

سرجن داؤدی کے ہاتھ مہارت سے کرشن ورما کے ٹانکے کھول رہے تھے۔ مووی کیمرا برابر چل رہا تھا۔ صرف میں اور ماسٹر جی اس کے فوکس سے دور کھڑے تھے۔ ٹانکا کھولنے کے بعد جب اندر سے ایک پولی تھین کی تھیلی برآمد ہوئی تو سرجن داؤدی نے حیرت سے ماسٹر جی کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ سب کیا ہے؟"

جواب میں ماسٹر جی نے اشارہ کیا تو ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر سرجن داؤدی کے ہاتھ سے وہ تھیلی لے کر پھر اسے کھولا تو سرجن کی آنکھیں بھی حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پولی تھین کی تھیلی سے دس ہیرے اور جواہرات برآمد ہوئے تھے جو مووی کیمرے کی تیز فلش لائٹ میں جگمگا رہے تھے۔ ایک ایک منظر ریکارڈ ہو رہا تھا۔

"کیوں سرجن۔" ماسٹر جی نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اسمگلنگ کرنے کا یہ سائنٹفک طریقہ پسند نہیں آیا؟"

سرجن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید وہ معاملے کی سنگینی میں اپنی شمولیت کے بارے میں نتائج پر غور کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد سرجن کو کمرے سے باہر لے جایا گیا اور مووی بنانے والے کے کانوں میں روئی کی اچھی خاصی مقدار ٹھونس دی گئی۔

"کرشن ورما یا روی شنکر۔" ماسٹر جی کی سرد آواز پھر کمرے میں گونجی۔ "اب تم شروع ہو جاؤ۔ اول سے آخر تک ایک ایک بات بیان کرتے چلے جاؤ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ تم کوئی غلط بیانی نہیں کرو گے ورنہ شاید تم بھی قانون کے شکنجوں سے نہ بچ سکو اور تمہاری آخری خواہش پوری کرنے کی حسرت بھی دل کی دل ہی میں رہ جائے۔"

کرشن ورما کے چہرے سے شدید نقاہت ٹپک رہی تھی لیکن اسے ماسٹر جی کے حکم کی تعمیل کرنی ہی پڑی۔ کم و بیش اس نے وہی تمام باتیں دہرائی تھیں جو اس سے پیشتر میں ریکارڈ کر چکا تھا۔ آخر میں اس نے اس خواہش کا اظہار بھی بڑی پُرسوز آواز میں کیا تھا کہ اگر اسے زندگی میں ایک لمحے کے لیے بھی کوئی موقع

aazzamm@yahoo.com

میسر آگیا تو وہ بھوشن جوزف سے اپنی بیوی گیتا کا بہت بھیانک انتقام لے گا۔ اپنے بیان میں اس نے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ بیرون ملک میں مائیکل اسٹرانگ نامی ایک سرجن آپریشن کرکے خفیہ طور پر وہ ہیرے، جواہرات رکھتا تھا جسے ندی سوسو نامی سرجن بعد میں نکالنے کا کام سرانجام دیتا تھا۔

کام مکمل ہونے کے بعد سرجن داؤدی اور مووی والے کو دوبارہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر واپس لے جایا گیا۔ ویڈیو ٹیپ ماسٹر کی نے اپنے قبضے میں کرلیا تھا۔ آج وہ ٹیپ بدستور میری جیب میں محفوظ تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ بھوشن جوزف اب کسی قیمت پر بھی نہ بچ سکے گا۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"کیوں؟ کیا اتنے ثبوت کے باوجود وہ خود کو بے گناہ ثابت کر سکے گا۔"

"یہ ناممکن بھی نہیں ہے۔" ماسٹر کی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھوشن ان تمام ثبوت کو یک طرفہ کارروائی بھی کہہ سکتا ہے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ جس وقت فلائٹ نمبر 613 نے لینڈ کیا تھا اس وقت وہ حرامزادہ لاوہ منسٹر کے ساتھ تھا۔"

"آئی۔ سی۔" میں ہونٹ کاٹ کر رہ گیا۔

"اب ہمیں واپس چلنا ہوگا۔" اس نے میرے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا زیادہ دیر اس میک اپ میں رہنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیا ندیم کو مشن کی کامیابی کی اطلاع مل چکی ہوگی۔"

"ہاں، اس کے جسم پر وہ نہیں سیکڑوں آنکھیں ہیں۔"

میں خاموشی سے ماسٹر کی کے ساتھ ہو لیا۔ میرے ذہن میں متعدد خیالات ابھر رہے تھے۔ میں نے طے کرلیا تھا کہ بھوشن کو آسانی سے سکون کا سانس نہیں لینے دوں گا۔

☆☆☆

دفتر جاتے وقت بھی میرا ذہن ندیم کے بارے میں الجھ رہا تھا۔ گزشتہ رات نہ تو وہ گھر واپس ہوا تھا نہ ہی اس کا کوئی فون آیا تھا۔ میں نے رات کو کئی بار کیسینو کے نمبر پر اسے رنگ کیا لیکن دوسری جانب سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا۔ صبح سے بھی میں نے ندیم سے رابطہ قائم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن ابھی تک مجھے کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ کیسینو کے منیجر نے بھی اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ مختلف وسوسے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ ائرپورٹ پر وہ مریض کے آنے کے بعد اچانک ہی مجھ سے جدا ہو گیا تھا پھر اس کے بعد وہ کہاں گیا؟ کیا وہ ابھی تک کسی خاص مشن پر کام کر رہا تھا! خدانخواستہ ائرپورٹ پر ہونے والی فائرنگ میں زخمی ہو کر کسی ہسپتال میں پڑا تھا؟ دونوں ہی صورتوں میں اسے کم از کم مجھ سے

نامور ادیبوں کے بارے میں نامور ادیبوں کی تحریروں کا منفرد مجموعہ

ممتاز ادیبوں کے منتخب خاکے

★ ---- ضیاء ساجد

قیمت : -/120 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2

رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا؟

پھر یکلخت میرے ذہن میں ایک خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ کرشن ورما کے حصول کے لیے اچانک ہی تین پارٹیوں کے درمیان ٹھن گئی تھی۔ ایک پارٹی پولیس کے سادہ لباس والوں کی تھی۔ دوسری کا تعلق یقیناً بھوشن جوزف سے ہوگا۔ وہ مریض ان کے لیے اتنا اہم تھا کہ وہ اسے نظرانداز نہیں کر سکتے تھے۔ تیسری پارٹی ندیم کی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ندیم ان کی نظر میں آگیا ہو اور اسے اغواء کرلیا گیا ہو؟

بہرحال میرا ذہن مختلف امکانات پر غور کر رہا تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ ندیم جہاں بھی ہے محفوظ ہے لیکن وہ تھا کہاں؟ یہ سوال میرے لیے تشویش کا سبب بنا ہوا تھا۔ میں ٹھیک ساڑھے دس بجے دفتر میں داخل ہوا تو سراج وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات چغلی کھا رہے تھے کہ وہ رات بھر جاگتا رہا ہے اور کسی شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہے۔ اس کی پریشانی کا سبب یقینی طور پر کرشن ورما ہی تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ کرشن ورما کے باہر آنے کے بعد سراج نے کسٹم آفیسر کے قریب جاکر کچھ کہا تھا اور جواب میں اسے کوئی ایسا ہی حکم نامہ دکھایا گیا تھا جسے دیکھ کر وہ تلملا رہ گیا تھا لیکن صبح ہی صبح اس کا میرے پاس آنا کیا معنی رکھتا تھا؟ کہیں اس نے مجھے میک اپ میں ہونے کے باوجود شناخت تو نہیں کرلیا تھا؟ یا پھر ندیم اسی کے قبضے میں تھا اور وہ مجھے ندیم کے بارے میں بتانے کی غرض سے آیا تھا؟

"خیریت۔" میں نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔ "صبح ہی صبح کیسے آنا ہوا؟"

"کچھ باتیں ایسی ہیں جس کے سلسلے میں میں اپنے محکمے کے کسی آفیسر سے بھی تبادلۂ خیال نہیں کر سکتا۔"

"لیکن میں؟"

"آپ بھی پولیس میں ایک اونچے عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اکثر کچھ ایسی باتوں کی پیش گوئیاں بھی کی تھیں جو بعد میں حرف بحرف درست ثابت ہوئیں۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔" میں مسکرا دیا۔ "انسان کی چھٹی حس اکثر اسے کسی آنے والے خطرے سے قبل از وقت آگاہ کر دیتی ہے لیکن میں نہ تو دست شناس ہوں، نہ ہی ستاروں کی چال اور برج وغیرہ کا حساب کتاب لگا کر یقینی طور پر کوئی پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"

"اس کے باوجود میرا خیال ہے کہ آپ مجھے کوئی بہتر مشورہ دے سکیں گے۔"

"عزت افزائی ہے آپ کی۔" میں نے انکسار سے کام لیا۔

جواب میں وہ ایک لمحے خاموش رہا پھر کرشن ورما کے بارے میں فون پر ملنے والی اطلاع اور ائرپورٹ پر پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بولا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا مسٹر شہباز کہ خان جابر اور بہرام کی موت کے بعد ایک ایسا آدمی میری لسٹ پر ہے جس کی گرفتاری اور بیان حاصل کرنے کے بعد ہم بھوشن جوزف پر ہاتھ ڈال سکتے تھے۔"

"تو کیا وہی مریض۔" میں نے سادگی سے دریافت کیا۔

"جی ہاں۔" سراج نے کہا۔ "وہ دراصل بھوشن جوزف کے لیے ناجائز تجارت کا کام سرانجام دیتا تھا۔ کم از کم میری اطلاع یہی ہے لیکن جس وقت میں نے اسے حراست میں لینے کی کوشش کی کسٹم کے ایک سینئر آفیسر نے مجھے ایک ایسا کاغذ دکھایا جس کے بعد میں خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔"

"کیا درج تھا اس کاغذ میں؟"

"چیف منسٹر کا حکم نامہ۔ جس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ اس مریض کو کوئی ایجنسی پریشان کرنے کی کوشش نہ کرے۔"

"آئی۔ سی۔ گویا بھوشن جوزف نے مریض کو کلیئر کرانے کی خاطر اپنے پورے اثر و رسوخ سے کام لیا تھا۔"

"اس کے علاوہ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اس مریض کو حاصل کرنے کی خاطر تین مختلف پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی تھیں۔" سراج نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایک کا تعلق پولیس فورس سے تھا۔ وہ سب میرے قابل اعتماد اور بھروسے کے آدمی تھے لیکن میں بروقت انہیں چیف منسٹر کی طرف سے جاری کیے جانے والے حکم نامے کے سلسلے میں نہیں بتا سکا تھا۔ دوسری پارٹی بھوشن کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی لیکن تیسری پارٹی۔"

"اس کا تعلق کس گروہ سے تھا؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"میں ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتا لیکن ایک بات وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ٹکراؤ کی وہ صورت اسی تیسری پارٹی کی وجہ سے شروع ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے انہیں بھی اس مریض کی اہمیت کا علم رہا ہو اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتے ہوں۔"

"کیا آپ کے سادہ لباس والوں نے کسی مشتبہ فرد کو حراست میں بھی لیا ہے۔"

"جی نہیں۔ صورت حال بس اچانک ہی خراب ہو گئی تھی پھر مسافروں اور ہجوم میں بھگدڑ کے باعث ہم کسی کو حراست میں لینے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھے۔"

"اور اس کے بعد مریض چھو منتر ہو گیا۔"

"اس کے علاوہ ایک خاص بات اور بھی تھی۔" سراج نے سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کیا؟"

"کیا میں امید رکھوں کہ آپ اسے صرف اپنی حد تک محدود رکھیں گے۔"

"اگر وہ بات اتنی ہی اہم ہے تو پھر جانے دیجئے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ آپ غلط نہ سمجھیں۔" سراج نے جلدی سے وضاحت کی۔ "میں یہ بات اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ اسے خفیہ رکھنے کی خاطر مجھے پولیس والوں سے بھی درخواست کرنی پڑی ہے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ میں رات کو ایک پل بھی نہیں سو سکا۔"

"ایسی کیا اہم بات تھی؟"

"جس وقت ائرپورٹ پر افراتفری مچی تھی اس وقت بھوشن جوزف اور لاوہ منسٹر بھی وی آئی پی لاؤنج کے مخصوص کمرے میں موجود تھے۔ ان دونوں کو بے ہوشی کی حالت میں پایا گیا تھا۔ اب وہ ملٹری ہسپتال میں ہیں۔"

"آپ نے ان دونوں کی موجودگی کے سلسلے میں کیا نتیجہ اخذ کیا ہے۔"

"بھوشن بھی وہاں اسی مریض کی خاطر موجود ہوگا اور لاوہ منسٹر بھوشن کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے اس کے ساتھ تھا۔"

"مریض کے بارے میں کوئی سراغ ملا؟"

"ابھی تک اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی۔" سراج نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "پولیس کا مخصوص دستہ تمام رات مختلف مقامات پر چھاپے مارتا رہا ہے لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اوپر سے بار بار فون موصول ہو رہے ہیں کہ اس کو ہر قیمت پر جلد از جلد بازیاب کیا جائے۔"

قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دیتا انٹرکام کا بزر بجا اور میں

نے سراج سے معذرت کرتے ہوئے ریسیور اٹھا لیا۔ "سر۔ مسٹر ندیم کی کال ہے۔" عارفہ کی آواز سنائی دی۔ "میں نے انہیں بتا دیا ہے۔ آپ اس وقت سراج صاحب کے ہمراہ مصروف ہیں۔ اس کے باوجود وہ آپ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ملا دیں۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ مسٹر سراج اس وقت تمہارے پاس کس مقصد سے آئے ہوں گے؟" ندیم نے کہا۔ "میری بات ختم ہوتے ہی تم اس طرح چونکنا جیسے تم مجھ سے قطعی ناواقف ہو۔ سراج کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیے۔"

"کون ہو تم؟" میں نے ندیم کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چونک کر دریافت کیا۔

"تمہارے سراج صاحب کو جس مریض کے سلسلے میں پریشان ہونا پڑ رہا ہے وہ اس وقت ایمبیسڈر ہوٹل کی دوسری منزل پر روم نمبر دو سو بائیس میں بے ہوشی کی حالت میں موجود ہے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" اس بار میں نے چونکنے کی اداکاری نہیں کی تھی۔ ندیم کی بات سن کر مجھے حیرت ہی ہوئی تھی۔

"وہ مریض اب ہمارے لیے کارآمد نہیں رہا۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "ہمیں جو ثبوت درکار تھے وہ مل چکے ہیں۔ ایک بات اور ایمبیسڈر میں بھوشن جوزف کا نام بھی شیئر ہولڈروں کی فہرست میں موجود ہے۔"

"تم یہ باتیں مسٹر سراج سے بھی براہ راست کر سکتے ہو۔" میں جھلاتے ہوئے خشک لہجہ اختیار کیا۔

"الجھے جا رہے ہو۔ لیکن تم نے ماسٹری کو نمبر تین کا حوالہ دے کر عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا تھا۔" ندیم نے جواب دیا۔ "قسمت ہی تھی جو بچ گئے۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لیے بتا دوں کہ ماسٹری کو اس بات کا علم تھا کہ تم نمبر تھری نہیں تھے۔"

"پھر؟"

"پوزیشن کے پیش نظر اس نے تمہاری بات مان لی تھی۔ اچھا بائی بائی، شام کو گھر پر ملاقات ہوگی۔"

دوسری جانب سے سلسلہ منقطع ہوا تو میں نے غصہ سے ریسیور کریڈل پر رکھا۔ سراج کو یہ بتانا مقصود تھا کہ میں دوسری جانب گفتگو کرنے والے سے واقف نہیں ہوں۔

"کون تھا؟" سراج نے پوچھا۔ اپنے نام کو سن لینے کے بعد وہ بھی چونکا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ کوئی بلا وجہ آپ کو پریشان کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"کوئی خاص بات؟"

"جی ہاں۔" میں نے الجھے ہوئے جواب دیا۔ "دوسری جانب سے آپ کے لیے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ پولیس کو مطلوبہ مریض اس وقت ایمبیسڈر ہوٹل کے روم نمبر دو سو بائیس میں بے ہوشی کی حالت میں موجود ہے اور اس ہوٹل میں شیئر ہولڈروں کی لسٹ پر بھوشن کا نام بھی ہے۔"

"مگر میرا خیال ہے کہ یہ انفارمیشن آپ کو ٹریپ کرنے کی خاطر بھی کی جا سکتی ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اگر بھوشن کا تعلق ایمبیسڈر ہوٹل سے ہے تو پھر مریض کا وہاں ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں بھوشن ہی کی کوئی چال ہو۔" سراج نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "اس درندہ صفت کمینے سے کوئی بات بعید بھی نہیں ہے۔ خان جابر اور بہرام کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت اسی حرامزادے کے کسی آدمی نے کال کیا ہو۔"

"پھر"

"ایمبیسڈر کے روم نمبر دو سو بائیس کو چیک کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" سراج نے کہا پھر اس نے میرے آفس سے اٹھ کر جانے میں کچھ زیادہ ہی جلدی کا مظاہرہ کیا تھا۔

✻

شام کو ندیم سے گھر پر ملاقات ہوئی تو وہ خاصا الجھا الجھا سا نظر آ رہا تھا۔

"تم کل رات سے کہاں غائب تھے؟" میں نے پوچھا۔ "میں نے تمہارے ہر ٹھکانے پر پیغامات چھوڑے تھے لیکن تم سے رابطہ نہیں ہو سکا۔"

"جھک مارتا پھر رہا تھا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے کہا۔ "تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو۔"

"شاید۔" اس بار ندیم نے خود پر قدرے قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمیں یہ بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ بھوشن اور اس کے گرگے ہر وقت اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"سراج نے ہمارے مطلوبہ مریض کو ایمبیسڈر ہوٹل سے بازیاب کرلیا ہے لیکن زندہ حالت میں نہیں۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے دراصل اس بات کا علم بعد میں ہوا تھا کہ اس ہوٹل میں بھوشن کی پارٹنر شپ ہے۔ ورنہ میں کرشن وہا یا ہری رام کو وہاں بھجوانے کی حماقت کبھی نہ کرتا۔"

"گویا اسے بھوشن کے کسی آدمی نے مار دیا۔"

"ظاہر ہے۔ جب وہ ہوٹل کا سلیپنگ پارٹنر ہے تو اس کے آدمی بھی وہاں ضرور موجود ہوں گے جنہوں نے مریض کو پہچان کر بھوشن کو اطلاع دی اور اس نے بہرام کی طرح اسے بھی ختم کرا دیا۔ وہ شخص اب اس کے لیے بھی کارآمد نہیں رہا تھا۔ زندہ رہتا تو بھوشن کے لیے پریشانی کا سبب ضرور بن سکتا تھا۔"

"لیکن سراج کے بیان کے مطابق تو بھوشن اور لالہ منشر دونوں ملٹری ہسپتال میں بے ہوش پڑے تھے پھر۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہر حکم بھوشن ہی کی طرف سے جاری ہوتا ہو۔ اس کی عدم موجودگی میں خاص خاص موقع پر اس کے کسی قابل اعتماد آدمی کو بھی اس قسم کے اختیار حاصل ہوں گے۔"

"لیکن وہ ویڈیو ٹیپ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ماسٹری کا خیال درست ہے۔" ندیم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "مریض کے مر جانے کے بعد اب اس ٹیپ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں رہ جاتی۔ بھوشن یہی کہے گا کہ اس کے کسی دشمن نے اسے پھنسوانے کی خاطر وہ ٹیپ بنوائی ہے۔ ظاہر ہے ہم کسی کرائے کے آدمی کو بھی حاصل کر کے اس سے وہی کردار ادا کرا سکتے تھے جو مریض نے ادا کیا ہے۔"

"لیکن ایک مہرہ ابھی ایسا باقی ہے جو ہمارے لیے بھوشن کے خلاف اہم گواہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔"

"تم شاید سرجن داؤدی کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"آج صبح وہ بھی چل بسا۔" ندیم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے اس کی موت کو ہارٹ فیل قرار دیا ہے۔"

"منور جس نے ویڈیو فلم تیار کی تھی۔" میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ بھی دو روز سے لاپتا ہے۔"

"آئی۔ سی۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ "گویا بھوشن کے آدمیوں نے تمام ثبوت ایک ایک کر کے مٹا دیے۔"

"اس کی جگہ تم ہوتے تو تم بھی وہی سب کچھ کرتے جو بھوشن نے کیا ہے۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا پھر کچھ توقف سے بولا۔ "لیکن میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی ہار تسلیم کر لیتے ہیں۔ سچ پوچھو تو مجھے خوشی ہے کہ بہت عرصے بعد اپنے ہی کسی ہم پلہ سے واسطہ پڑا ہے۔"

"اور سوسو کے بارے میں کیا خیال ہے۔" میں نے تیزی سے کہا۔ "کرشن وہا نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہی سرجری کر کے ہمیشہ ہیرے جواہرات برآمد کیا کرتا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے یقین ہے کہ مریض نے غلط نہیں کہا ہوگا لیکن کسی ٹھوس ثبوت کے بغیر ہم سرجن سوسو پر بھی ہاتھ نہیں ڈال سکتے۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ بھی بہت لمبے ہیں۔ چیف منسٹر سے اس کے ذاتی اور براہ راست تعلقات ہیں۔"

"گویا اتنی بھاگ دوڑ اور اچھل کود کے باوجود ہم اسی مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے بڑے جوش و خروش سے آگے بڑھے تھے۔"

"اگر وہ مریض زندہ حالت میں سراج کو مل جاتا تو بات بن سکتی تھی۔"

"کیا تم اسے ایمبیسڈر بھیجنے کے بجائے کسی اور طریقے سے سراج کے حوالے نہیں کر سکتے تھے؟" میں نے تیزی سے کہا۔

"نہیں۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ میں یا میرا کوئی آدمی سراج کی نظر میں آئے۔"

"اب صرف ایک طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہم براہ راست بھوشن کو ٹارگٹ بنا کر ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سلا دیں۔"

"جذباتی مت بنو۔" ندیم نے کہا۔ "تم ان ماورائی قوتوں کو فراموش کر رہے ہو جو قدم قدم پر ہمارے آڑے آ رہی ہیں۔ بھوشن بھی ان ہی گندی قوتوں کی ایک پیداوار ہے جس کی کہانی خان جابر سے شروع ہوئی تھی۔ بھوشن نے صرف خان جابر کو بچانے کی کوشش کی تھی اور اسی کوشش میں وہ ملوث ہوتا چلا گیا۔"

"پھر تو ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے۔" میں نے تلملا کر کہا۔ "ہم ناپاک اور گندی طاقتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں۔"

"اس کا مشورہ میرے بجائے تمہاری کاکا رانی زیادہ بہتر طور پر دے سکتی ہے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میں کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ندیم نے اس طرح لپک کر ریسیور اٹھا لیا جیسے اسے کسی کی کال کا انتظار رہا ہو۔

میرے دماغ کی ساری چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ صندل اگربتی اور کمبل پوش بزرگ کی کرامت کی وجہ سے میں محفوظ تھا۔ ندیم کے ساتھ بھی کوئی ایسی ہی صورت تھی جس کی وجہ سے موہنی یا کسی اور قوت نے اسے ابھی تک نشانہ نہیں بنایا تھا لیکن وہ اب تک ہر اس رستے کو بند کرنے میں کامیاب رہی جس پر ہم نے قدم آگے بڑھانے کی کوشش کی تھی۔ حالات کا یہ سلسلہ تھکنہ کی منحوس ذات سے روپ نگر میں شروع ہوا تھا اور ابھی تک جاری تھا۔ قدم قدم پر اس کی شاخیں پھوٹتی جا رہی تھیں۔ بہت سارے بے گناہ ان طاقتوں کے بیچ پس کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ میرے والد بھی ان مرنے والوں میں شامل تھے۔ اگر کاکا نے بروقت مدد نہ کی ہوتی تو شاید ماں کا سایہ بھی میرے سر سے اٹھ چکا ہوتا۔ میں نے کچھ سوچ کر کاکا کو یاد کیا۔

"تمہاری بڑی کرپا جو تم نے اپنی کاکا رانی کو یاد کیا۔" کاکا کی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔ شاید اس کی قوت ندیم کے مکان کی حدود میں نہیں داخل ہو سکتی تھی۔

aazzamm@yahoo.com

"میں بڑی شدت سے تمہاری ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔" میں نے دل پر جبر کر کے لگاوٹ کا اظہار کیا۔ "کیا تم میرے کسی کام نہیں آسکتیں۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے کیا سماتا چاہتے ہو لیکن ابھی میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟"

"سوہنی کو دیوی دیوتاؤں کا آشیرباد حاصل ہے۔" کاکا نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "تم نے کومل ورما کو ختم کر کے میرے لیے اور دشواریاں پیدا کر دی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے وضاحت چاہی۔

"کومل ورما دراصل سوہنی کا ایک دوسرا روپ تھی۔ تم نے اسے جلا کر سوہنی کی سمان شکتی کو للکارنے کی بھول کی ہے۔"

"لیکن یہ بات تم نے مجھے پہلے بھی نہیں بتائی تھی۔" میں نے تیزی سے سوال کیا۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے کہ میں نے جو بات تمہیں بتائی تھی اسی کے کارن میں اس سے مجبور ہو کر رہ گئی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"داور یاد ہے تمہیں۔" کاکا نے بدستور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جب دو مہان شکتیاں آپس میں ٹکراتی ہیں تو ان میں سے ایک جل کر بھسم ہو جاتی ہے۔ مجھے اب پورا وشواس ہو گیا ہے تمہارے پاس بھی کوئی شکتی ہے جس نے پہلے داور کو اب سوہنی کو جلا کر راکھ کر دیا۔"

"جس دن مجھے حادثہ پیش آیا تھا شاید اس دن تم نے بھی اسی اندیشے کی وجہ سے مجھے اپنا روپ دکھانے سے انکار کیا تھا۔" میں سنجیدہ ہو گیا۔

"ایک بات بتاؤ گے؟"

"کیا؟"

"کیا اب بھی تم انکار کرو گے کہ تم اس شکتی کو نہیں جانتے جو تمہاری سہائتا کر رہی ہے۔" کاکا کے لہجے میں کاٹ تھی۔ "جس سے تم نے کومل ورما کے سندر شریر کو ہاتھ لگایا تھا اس سے میں تم سے زیادہ دور نہیں تھی۔ میں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اسی کارن مجھے وشواس ہو گیا ہے کہ تم اس شکتی سے جانکاری رکھتے ہو لیکن تم نے مجھے اندھیرے میں ہی رکھا۔"

"غلط فہمی کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہیں تھا۔" میں نے انجان بننے کی کوشش کی۔ "مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون سی قوت ہے جو میری مدد کر رہی ہے۔ ہو سکتا ہے جس طرح تمہارے دیوی دیوتا تمہاری مدد کر رہے ہیں اسی طرح کوئی رحمانی قوت بھی میری مدد کر رہی ہو۔"

"عارفہ کے بارے میں کیا کہو گے بھولے ناتھ۔" کاکا نے چلتے کے انداز میں جواب دیا۔ "کیا تم سوگند کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تمہیں اس نار سے کوئی لگاؤ نہیں۔"

"وہ میری سیکرٹری ہے اس لیے مجھ سے قریب بھی رہتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب۔۔۔"

"نہیں شہباز۔ تم کاکا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔" اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "اس سمے میں جا رہی ہوں۔ دوبارہ پھر آؤں گی لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تم نے کسی اور سندری کو اپنے من میں بسایا تو کاکا سے تمہارے سارے سمبندھ ٹوٹ جائیں گے۔"

"پھر تم کاکا کو سارا جیون نہ پا سکو گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کاکا تمہارے جیون سے دور ہو گئی تو کوئی دوسری سندری بھی اس کی جگہ نہ لے سکے گی۔ تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔"

"لیکن عارفہ۔"

"میری بات پر اطمینان سے دھیان دینا پر تو ایک بات اپنی گرہ سے باندھ لو اگر تم نے کاکا کے من کو ٹھیس پہنچائی تو یہ سودا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔"

"کیا تم بھی سوہنی کی طرح میرے خون کی پیاسی ہو جاؤ گی۔"

"اس کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔" کاکا نے سرد مہری سے جواب دیا پھر میں نے اسے کئی آوازیں دیں لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔

کاکا کی باتوں نے میرے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے کھلے لفظوں میں مجھے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ اگر میں نے عارفہ کی طرف سے اپنا خیال نہ بدلا تو عارفہ کی زندگی کو خطرہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ مجھے اپنی بے بسی کا احساس ہوا تو میری رگوں میں گردش کرنے والے خون کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔

ندیم ابھی تک فون پر گفتگو میں مصروف تھا پھر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر خون کی تمازت دو چند نظر آ رہی تھی شاید فون پر بھی اسے کوئی مایوس کن اطلاع موصول ہوئی تھی۔ میرا قیاس غلط نہیں تھا۔

"ایک اور اہم ثبوت ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔" ندیم نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مائیکل اسٹرانگ جو سرجری کرنے کے بعد کرشن ورما کی ران میں ہیرے جواہرات رکھتا تھا اسے بھی گولی مار دی گئی۔ ابھی بیرون ملک سے مجھے یہی اطلاع ملی ہے۔"

فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔ ندیم نے لپک کر کال ریسیو کی پھر ریسیور میرے حوالے کر دیا۔ دوسری جانب سراج تھا۔ اس نے بھی مجھے کرشن ورما کے بارے میں وہی کہانی سنائی جو ندیم مجھے بتا چکا تھا۔ ایک لمحے کے لیے میرے دل میں یہ خیال ابھرا کہ سراج سے سرجن داؤدی کے بارے میں دریافت کروں لیکن پھر میں نے



اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

ندیم سراج سے میری گفتگو کے دوران ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

☆

کاکا کی باتیں میرے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ میری وجہ سے اب تک بہت سارے افراد موت کی نیند سو چکے تھے اور اب شاید عارفہ کی باری تھی۔ وہ بے قصور اور معصوم لڑکی جس کا گناہ صرف اتنا تھا کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی۔ میں نے دستی گھڑی پر نظر ڈالی اس وقت شام کے ساڑھے سات کا عمل تھا۔ کچھ سوچ کر میں نے عارفہ کے نمبر ڈائل کیے۔ کال خود اسی نے ریسیو کی تھی۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

"اس وقت میرا خیال کیسے آ گیا؟" وہ ایک لمحے کو جھجکی پھر سنبھل کر بولی۔ "میرا مطلب ہے کہ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"ہاں۔ مجھے تم سے ایک بہت اہم کام ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن کام بتانے سے پہلے تم وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گا تم اس پر آنکھ بند کر کے عمل کرو گی۔ کوئی وجہ دریافت نہیں کرو گی۔"

"ایسا کیا کام درپیش ہے۔"

"پہلے وعدہ کرو۔ اس کے بعد بتاؤں گا۔"

"آپ حکم دیجئے۔" اس نے تھوڑے توقف سے جواب دیا۔ وہ اس وقت مجھ سے دور تھی لیکن اس کی آواز سے میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حکم دیجئے کہتے وقت اس کے معصوم چہرے پر دھنک رنگ ضرور جاگ اٹھے ہوں گے مگر یہ وقت احساسات کا نہیں بلکہ عمل کا تھا چنانچہ میں نے سنبھل کر کہا۔

"عارفہ۔ جتنی جلدی ممکن ہو تم اپنا ضروری سامان کسی اٹیچی میں رکھ کر میرے پاس چلی آؤ۔"

"لیکن اس وقت۔"

"مجھ پر بھروسا کرو' یہ وقت تفصیل بتانے کا نہیں ہے۔"

"پھر بھی۔"

"بحث مت کرو۔" میں نے تحکمانہ انداز میں کہا۔ "تم مجھ سے میری بات پر عمل کرنے کا وعدہ کر چکی ہو۔"

میں نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ میں سیدھا اٹھ کر ماں کے پاس گیا وہ کسی عبادت میں مشغول تھیں۔ میرے چہرے کو ایک ماں کی نظروں سے دیکھا تو شاید انہیں میری گھبراہٹ کا علم ہو گیا۔ جلدی سے دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔

"کیا بات ہے بیٹے۔ تم مجھے کچھ فکر مند نظر آ رہے ہو۔"

"جی۔" میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ کہا کرتی تھیں کہ میں جتنی جلدی ممکن ہو اپنا گھر بسا لوں۔"

"یہ میری بڑی دیرینہ آرزو ہے۔"

"میں اس وقت آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔"

"میں نے جس لڑکی کو پسند کیا ہے وہ کچھ ہی دیر میں اپنا ضروری سامان سمیٹ کر یہاں پہنچنے والی ہے۔"

"یہ۔۔۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" ماں کی حیرت بے جا نہیں تھی۔

"میری وجہ سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "تفصیل میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا لیکن اتنا وعدہ کرتا ہوں کہ اگر لڑکی آپ کو پسند نہ آئی تو میں اس سے شادی کرنے کا خیال دل سے نکال دوں گا مگر جب تک وہ خطرے میں ہے اس وقت تک اسی چھت کے نیچے آپ کے سائے میں رہے گی۔"

"تم اس لڑکی کی بات تو نہیں کر رہے ہو جو تمہارے دفتر میں کام کرتی ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا اس وقت تم نے اسے یہاں آنے کو کہا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"مگر بیٹے کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ اس وقت یہاں آ جائے گی؟"

"نہیں آئے گی تو مجھے اس کی موت کا بے حد افسوس ہو گا۔" میں نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" ماں نے چونک کر پوچھا۔ "اسے کس قسم کا خطرہ لاحق ہے؟"

"کچھ طاغوتی قوتیں اسے میرے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔" میں نے ماں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا پھر میری آواز رندھ گئی۔ "ان ہی کالی اور ناپاک طاقتوں نے مجھے باپ کے سائے سے بھی محروم کیا تھا' اگر خدا کی رحمت اور آپ کے بڑے ابا کی دعاؤں نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو شاید وہ گندی اور منحوس قوتیں آپ کو بھی۔" میں اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ میرے آنسو ماں کے گالوں پر بہے تو وہ تڑپ اٹھیں۔ میرے چہرے کو دونوں ہاتھ میں لے کر بڑے پیار سے بولیں۔

"پریشان مت ہو میرے بچے۔ موت اور زندگی اس قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ خدا کی رحمتیں اور بڑے ابا کی دعائیں ضرور تمہاری حفاظت کریں گی۔"

میں ماں سے بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ ملازم نے آ کر عارفہ کی آمد کی اطلاع دی۔ میں نے ماں کی طرف دیکھا تو وہ مسکراتی ہوئی اٹھیں اور جا کر عارفہ کو اندر لے آئیں۔ اس کی کیفیت کچھ عجیب سی تھی۔ کبھی وہ میری سمت دیکھتی اور کبھی سہمی سہمی نگاہوں سے

aazzamm@yahoo.com

اسی حضور کو دیکھنے لگی۔

"گھبراؤ مت بیٹی۔" ماں نے بڑی شفقت سے عارفہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم نے اچھا کیا جو میرے پاس چلی آئیں۔ مجھے ماں ہی سمجھو۔ یہاں تمہیں میرے ہوتے ہوئے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔"

"شکریہ" عارفہ نے میری طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھا لیا۔ میری چھٹی حس کسی بری خبر کی اطلاع دے رہی تھی پھر وہی ہوا جس کا میں نے اندازہ لگایا تھا۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری جانب سے کسی نو وارد نے کہا۔

"مجھے افسوس ہے مسٹر شہباز کہ تمہاری عارفہ اب تک جل بھن کر کسی جلے ہوئے بکرے کی شکل اختیار کر چکی ہو گی۔"

میں نے جلدی سے فون کا مائک آن کر دیا تاکہ عارفہ بھی ہونے والی گفتگو سن سکے پھر میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "کون ہو تم؟"

"اگر میں نے تمہاری عارفہ بیگم کو سوہنی کی ماں کی طرح آگ میں جلا کر بھسم کر دیا ہے تو یقیناً تم مجھے اپنا دوست نہیں کہو گے۔"

اس آواز کو سن کر امی حضور کے علاوہ خود عارفہ کے چہرے پر بھی پریشانی کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "لیکن تم نے جو قدم اٹھایا ہے وہ آگ کو سرد کرنے کے بجائے اور ہوا دے گا۔ اگر تم مرد ہوتے تو ایک معصوم لڑکی کے بجائے مجھ سے مقابلہ کرتے۔"

"فکر مت کرو۔ وہ گھڑی بھی دور نہیں جب ہم تمہیں گریبان سے گھسیٹ کر اپنے قدموں پر خارش زدہ کتوں کی طرح لوٹنے پر مجبور کر دیں گے۔"

"تمہاری یہ حسرت تمہیں قبر تک بھی لے جا سکتی ہے۔"

"اس کا فیصلہ اتنی جلدی مت کرو مسٹر شہباز۔" دوسری جانب سے سرد لہجے میں جواب ملا۔ "تمہاری وجہ سے ہمارے باس کو اپنے دو قیمتی آدمیوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ میرا اشارہ کرشن دیا اور مائیکل اسٹرانگ کی طرف ہے۔ کیا اب بھی اس کی وضاحت باقی رہ جاتی ہے کہ میں نے تمہاری چہیتی کو بھڑکتی ہوئی آگ میں روسٹ کرنے کے لیے کس کے حکم کی تعمیل کی ہے؟"

"بکواس مت کرو۔" میرے لہجے میں سفاکی آ گئی۔ "میں جانتا ہوں کہ تم نے اپنی نامردی کا ثبوت کس کے اشارے پر دیا ہے۔"

"اتنی عقلمندی کی باتیں مت کرو مائی ڈیئر۔ کہیں تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔" بولنے والے نے میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"عارفہ کے خلاف جس نے بھی انتقامی کارروائی کی ہے اسے یہ سودا بڑا مہنگا پڑے گا۔" میں نے تیزی سے جواب دیا۔ "عارفہ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔"

"زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش کرو گے تو منہ کے بل زمین پر گر کر خود کو زخمی کر لو گے۔ بہتر یہی ہے کہ اب عارفہ کی موت کو ایک اتفاقیہ حادثہ سمجھ کر بھول جاؤ۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ کوئی گندی قوت ہے جو تمہارے ذہن کو ریموٹ کنٹرول کی طرح اپنے اشاروں پر چلنے پر مجبور کر رہی ہے۔ تمہاری حیثیت ایک بے جان کھلونے سے زیادہ نہیں۔"

"کھلونے بولا نہیں کرتے۔"

"بولتے ہیں لیکن اپنی مرضی سے نہیں۔ اس میں بھی کسی نئی تکنیک کا دخل ہوتا ہے۔" میں نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "تمہیں اس وقت شاید خود بھی نہیں معلوم کہ تم کس کے اشاروں پر رقص کر رہے ہو۔"

جواب میں دوسری جانب سے خاموشی چھا گئی۔

"کاکا۔" میرے ذہن میں ایک ہی نام ابھرا۔ کچھ دیر قبل اسی نے مجھے عارفہ کے سلسلے میں دبی زبان میں دھمکی دی تھی۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے حفظ ماتقدم کے طور پر عارفہ کو اس کے فلیٹ سے ہٹنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مجھے خوشی تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔

"شہباز۔" ماں نے پوچھا۔ "یہ سب کیا ہے؟"

"مائی گاڈ۔" عارفہ نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر میں نے فلیٹ نہ چھوڑا ہوتا تو شاید اس وقت۔۔۔"

"خدا جو کرتا ہے بہتری کرتا ہے۔" میں نے ماں اور عارفہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خدا کی ذات پر مکمل یقین ہے۔ زندگی مال و اسباب کے مقابلے میں زیادہ قیمتی شے ہے۔"

"شہباز۔" میں نے کہا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم تھا کہ باطل قوتیں یا تمہارے دشمن عارفہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔"

"مجھے شبہ تھا اور میرا شبہ درست ثابت ہوا۔"

"کیا اس میں بھی ان ہی طاقتوں کا دخل ہے۔ جنہوں نے نسیم کی ماں اور انکل کو۔۔۔"

"ہو سکتا ہے۔" میں نے عارفہ کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تمہارے لیے اب ضروری ہو گیا ہے کہ جب تک حالات سازگار نہ ہوں۔ تمہیں اسی مکان کی چہار دیواری تک محدود رہنا پڑے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے دشمن اسی غلط فہمی کا شکار رہیں کہ وہ اپنے ناپاک اور گندے عزائم میں کامیاب ہو چکے ہیں۔"



"میں خود اب اس بچی کو ایک پل کے لیے بھی اپنی نگاہوں سے دور نہ ہونے دوں گی۔" امی نے عارفہ کو اپنے سینے سے لگایا تو عارفہ کے اندر کا غبار آنسوؤں کی شکل میں اس کی حسین آنکھوں سے بہہ نکلا۔

میرے لیے اب خاموش رہنا ممکن نہیں تھا۔ میں اپنے دشمنوں کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں ان کے مقابلے میں اپنی شکست مرتے دم تک قبول نہیں کروں گا۔

کاکا۔ بھوشن جوزف اور پانڈے جی کا نام میرے ذہن میں گرم آندھی کی طرح چکرا رہا تھا۔ اس کے علاوہ لانسٹر اور سوئی سومو بھی میری فہرست میں شامل تھے۔ میرا دماغ انہیں ترتیب دینے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔

٭٭٭

میں نے دشمنوں کو عارفہ کی موت کا یقین دلانے کی خاطر تین روز کے لیے آفس بند کر دیا تھا۔ اس عرصے میں صرف گھر تک یا پھر عدیم کے کیسینو تک محدود رہا۔ سراج نے ان تین دنوں میں کئی بار فون کر کے مجھ سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ دفتر کے دوسرے لوگوں کے بھی فون آتے رہے۔ میں سوگوار انداز میں ان سے باتیں کرتا۔

ماں نے عارفہ کو قبول کر لیا تھا۔ عارفہ کو اپنے فلیٹ کے جلنے کے دکھ سے زیادہ میری ماں کے ساتھ رہنے میں خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ماں نے کئی بار مجھ سے اصرار کیا کہ میں کسی قاضی کو خاموشی سے بلا کر عارفہ کو اپنی زندگی کا ہم سفر بنا لوں لیکن میں نے ماں کو ٹال دیا۔ میرے دشمنوں نے میرے گرد جو حصار کھینچ رکھا تھا میں اسے توڑ کر باہر نکلنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ایسے حالات میں خود مجھے اپنی زندگی کا بھی بھروسا نہیں تھا۔ عارفہ کو اپنا کر میں اس کا مستقبل برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میرے ذہن میں اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے بہت سارے پلان پک رہے تھے مگر میں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ماورائی قوتوں کی جانب سے بھی خاموشی تھی۔ ابھی تک سوہنی یا کاکا میں سے کسی نے بھی مجھ سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا حالانکہ کاکا کو عارفہ کی فرضی موت پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

عدیم میرے اندر سلگنے والے آتش فشاں کو محسوس کر رہا تھا۔ اس نے مجھے اندر سے کریدنے کی بہت کوشش کی لیکن میں اسے بھی ہنس کر ٹالتا رہا۔ اس نے میری خاطر بہت ساری قربانیاں دی تھیں۔ میں اسے مزید کسی پریشانی میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس وقت بھی عدیم میرے پاس بیٹھا میرے وجود میں بھڑکتے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب فون کی گھنٹی بجی اور عدیم نے ریسیور اٹھا لیا پھر اسے میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تمہاری کال ہے۔"

"کہہ دو میں اس وقت گھر پر نہیں ہوں۔"

"اسے میری بات کا یقین نہیں آئے گا اس لیے کہ اس نے تمہیں باہر تمام جگہ تلاش کرنے کے بعد ہی یہاں فون کیا ہو گا۔"

"کون ہے؟" میں نے بیزاری سے پوچھا۔

"سوہنی۔"

میں نے جھپٹ کر عدیم کے ہاتھوں سے ریسیور لے لیا۔ دوسری جانب سے سوہنی کی زہر آلود آواز سنائی دی۔

"میں جانتی ہوں کہ تمہیں عارفہ کی موت کا بہت دکھ ہے۔ اسی کارن میں نے تمہیں فون کیا ہے کہ تمہارا کچھ دکھ بانٹ سکوں۔"

"میرے زخموں پر نمک چھڑکنا چاہتی ہو۔" میں نے دیدہ و دانستہ جھلا کر جواب دیا۔

"نمک نہیں بلکہ مرچ۔" اس نے ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے کہا پھر یکلخت سنجیدگی سے بولی۔ "ابھی تمہارا زخم تازہ ہے اس لیے میں تمہیں ایک اور خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"نسیم۔" وہ تلخ انداز میں بولی۔ "تم نے اسے بڑے پریم سے بہن بنایا تھا۔ اس کا بھوش بنانے اور سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ میں جانتی ہوں شہباز خان کہ نسیم سندر ہے لیکن تم بھی جانتے ہو کہ کسی سندر چیز کو نظر نہ لگ جائے اس لیے اس کے شریر پر کہیں کالا داغ لگا دیتے ہیں۔ تم ایسا کرنا بھول گئے تھے پرنتو میں نے یاد رکھا۔ اس سے تمہیں یہی خوشخبری سنانے کے کارن فون کیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں اچانک تیز ہونے لگی تھیں۔

"پریشان مت ہو۔ اس کا جیون کال کے چرنوں پر بھینٹ نہیں چڑھا۔ کیول اس کے چہرے کو ضرور داغ دیا ہے کہ اسے کسی دشمن کی نظر نہ لگ سکے۔ تم چاہو تو یہ خوشخبری اپنے مترو کو بھی سنا سکتے ہو۔"

"یہ کمینگی ہے۔" میں چیخ اٹھا۔ "اگر تمہاری شکتی مہان ہے تو پھر مجھ سے ٹکرانے کی کوشش کرو۔ دوسروں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"میری ماں تمہیں یاد ہے۔" اس نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "تمہارے مترو نے اسے زندہ جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ میں نے بھی تمہاری عارفہ کے بارے میں یہی سوچا تھا لیکن مجھے خوشی ہے کہ یہ کام تمہاری کاکا رانی نے پورا کر دیا۔ بہت گھمنڈ تھا نا تمہیں اپنی کاکا پر۔"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے غصے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ عدیم نے مجھے وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ میں

aazzamm@yahoo.com

جسم کے بارے میں بتا کر اسے تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن مجھے اپنے ارادے میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے کہ سوہنی کی کال کے کچھ دیر بعد ہی مدیم کو اس سانحے کی اطلاع راجو نے لندن سے فون پر دی تھی۔ مدیم نے اس خبر کو بڑے صبر و تحمل سے سنا۔ میں اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھ رہا تھا۔ میری طرح اس کے اندر بھی راکھ میں دبی دبی چنگاریاں شعلوں کی شکل اختیار کر رہی تھیں۔ فون رکھنے کے بعد اس نے مجھے سنجیدگی سے مخاطب کیا۔ "جسم ایک خطرناک حادثے کا شکار ہونے سے بال بال بچ گئی لیکن اس کی خوبصورت پیشانی پر ایک داغ رہ گیا ہے۔ سرجنوں کا خیال ہے کہ وہ داغ ہمیشہ قائم رہے گا۔"

"لیکن حادثے کی نوعیت؟"

"میں مقلِ کتب نہیں ہوں۔" مدیم نے تلملا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم انکار کر سکو گے کہ ابھی اس سوہنی نے تمہیں فون پر یہی اطلاع دی تھی۔" پھر وہ میرے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتا خواب گاہ سے باہر نکل گیا۔

جسم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع نے مجھے بھی پریشان کر دیا تھا۔ سوہنی نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ عارفہ کے فلیٹ کو کاکا کے اشارے پر خاکستر کیا گیا تھا۔ شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا اس لیے کہ آخری ملاقات میں خود کاکا نے اپنی زبان سے کچھ ایسی ہی باتیں کی تھیں۔ قسمت نے اگر میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو عارفہ بھی میری خاطر بے قصور ماری جاتی۔ اتفاق ہی تھا جو میں نے ایک خطرے کو محسوس کر کے عارفہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

"لیکن کیا کاکا کو اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ اسے اپنے ناپاک ارادے میں ناکامی ہوئی ہے؟" میرے ذہن میں یہ سوال بجلی بن کر کوندا اسی لمحے کاکا کی آواز دور سے میرے کانوں میں گونجی۔

"شہباز۔ سوہنی نے تمہارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔"

"کھل کر کہو کاکا رانی۔" میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ "اب تم مجھے کس بات کا یقین دلانا چاہتی ہو۔"

"میری بات کا وشواس کرو۔ میں نے تمہاری عارفہ کے گھر کو آگ نہیں لگائی۔ یہ سب سوہنی کے کرتوت ہیں۔ شاید اس نے میری اور تمہاری بات سن لی تھی اس لیے وہ ایک خطرناک چال چلنے میں کامیاب ہو گئی۔ ایک طرف اس نے عارفہ کے گھر کو آگ لگائی اور دوسری طرف میرے خلاف تمہارے من میں کھوٹ بھر دیا۔ پرنتو اب میں بھی ایسا سبق دوں گی کہ مرنے کے بعد اس کی آتما بھی بیاکل رہے گی۔"

"کاکا۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تم نے کہا تھا اگر میں نے تمہارے سوا کسی اور سندری کو من میں بسایا تو تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی۔"

"ہاں مجھے یاد ہے لیکن..."

"جو ہو گیا اسے بھول جاؤ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "میں


## اسلم راہی ایم۔اے
## کے تاریخی ناول

| | |
|---|---|
| سراج منیر (اول و دوئم) | 500/- |
| طارق بن زیاد | 200/- |
| مقدس دیوداسی | 175/- |
| سرابوں کے صحرا | 200/- |
| رقصِ درویش | 300/- |
| وحشت کے بھیڑیئے | 250/- |
| غرناطہ کا چوپان | 300/- |
| شیر شاہ سوری | 300/- |
| سندھ کا سورما | 250/- |

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2


تمہارے ساتھ پریم بندھن میں بندھنے کو تیار ہوں' بولو۔ کیا تم میرے پیار کی خاطر وہی سندر روپ اختیار کر کے میرے پاس نہیں آسکتیں جس میں میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔"

"پریم شریر کے بندھن کا نام نہیں ہے شہباز۔" کاکا نے جواب دیا۔ "سچا پریم وہ ہوتا ہے جو من کی گہرائیوں میں سما جائے۔"



"تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن جسم کے اپنے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

"جو من کو نہ مار سکے وہ مہان شکتی بھی پراپت نہیں کر سکتا۔"

"میں تمہاری خاطر اس پر بھی تیار ہوں' لیکن ایک شرط ہے۔"

"حکم دو میرے دیوتا۔" وہ بڑی لگاوٹ سے بولی۔ "تمہاری داسی تمہاری ہر آگیا کا پالن کرنا اپنا دھرم سمجھتی ہے۔"

"اگر تم سچی ہو تو پھر سوہنی کو میرے راستے سے ہٹا دو۔"

"شہباز اگر میں نے ایسا کیا تو دیوی اور دیوتا پھر مجھے چڑیل بنا دیں گے' پھر میں کبھی وہ سرا جنم' وہ سرا روپ نہیں اختیار کر سکوں گی۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہاری صورت کو من میں بسا کر زندگی گزار دوں گا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔ تم شاید کاکا کا امتحان لینا چاہتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"چلو۔ یہی سمجھ لو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے تھوڑے تامل سے جواب دیا۔ "میں کوئی ایسا راستہ تلاش کرنے کا وچن دیتی ہوں جس سے سوہنی کو ل ورما ہی کی طرح تمہارے ہاتھوں ختم ہو جائے۔ اگر میں کامیاب ہو گئی تو پھر دیوتاؤں کے سراپ (عتاب) سے بچ سکتی ہوں۔"

"تمہیں جسم کی زندگی کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔" میں نے تیزی سے کہا۔

"چنتا مت کرو شہباز۔ اب سوہنی اپنے کالے کرتوتوں میں کامیاب نہیں ہو گی۔ اب میں اسی سمے تمہارے پاس آؤں گی جب سوہنی کا کریا کرم پورا ہو جائے گا۔"

پھر کاکا چلی گئی لیکن میں نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ میری چھٹی حس گواہی دے رہی تھی کہ طاغوتی قوتیں بھیس بدل بدل کر مجھے ریگستان میں پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے دوڑنے پر مجبور کر رہی ہیں۔

❋

پانڈے نے مجھے ریزیڈنسی سے بھیس میں اپنے آفس میں دیکھا تو مجھے بغیر نہ رہ سکا۔ اس وقت وہ اپنے دفتر میں تنہا نہیں تھا۔ پستہ قد اور دوہرے بدن کا ایک اور شخص اس کے سامنے بیٹھا بڑے بھونڈے انداز میں سگریٹ پی رہا تھا۔ انداز بازاری ہی تھا۔ صورت شکل اور لباس کے اعتبار سے اچھا آدمی نظر آ رہا تھا۔ اس نے جینز اور جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیکٹ کے نیچے سیاہ رنگ کی ایک بنیان نما شرٹ تھی جس میں سرخ اور پیلے رنگ میں ایک خونخوار شیر کو ایک سہے ہوئے بکرے پر جھپٹتے دکھایا گیا تھا۔ چہرے پر خاصی گھنی داڑھی تھی لیکن فوری طور پر میرے دل میں یہی خیال ابھرا کہ وہ داڑھی اصلی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔

پانڈے کے چہرے پر بھی مجھے الجھن اور خوف کے ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے۔ وہ میرے سامنے اپنی چیک بک کھولے بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کے رنگ میں زردی شامل ہو گئی تھی۔

"تم؟"

"ہاں۔" میں نے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مسیوک کو رائکش کہتے ہیں اور شاید ہم ایک بار مل بھی چکے ہیں۔"

"مجھے اس وقت ایک ضروری کام نپٹانا ہے۔ کیا تم کچھ دیر بعد نہیں آسکتے۔"

"تم اپنا کام نپٹا لو جب تک میں یہیں بیٹھ کر سستانے لگتا ہوں۔" میں نے بے پرواہی سے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ میری نظریں پانڈے کے علاوہ اس پستہ قد شخص پر بھی تھیں جو مجھے اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"کچھ کام ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی موجودگی میں نہیں کیے جاتے۔" پانڈے نے کن انکھیوں سے پستہ قد آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا پھر جلدی سے بولا۔ "میرا مطلب بزنس سیکرٹ ہے۔"

"مجھ سے کیا پردہ مسٹر پانڈے۔" میں نے بدستور بدلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ میرے لہجے میں ہلکا سا طنز بھی تھا۔ "میں تو تمہیں ہر رنگ میں دیکھ چکا ہوں۔ پہلی ملاقات یاد ہے تمہیں جب میں تمہارے بیڈ روم میں آیا تھا اور تم..."

"بھگوان کے لیے۔" پانڈے تیزی سے بولا۔ "میں تم سے بنتی کرتا ہوں کہ اس سے چلے جاؤ۔ اس کے بعد جو تم کہو گے مجھے منظور ہو گا۔"

پستہ قد آدمی کے چہرے کے تاثرات خطرناک ہونے لگے تھے پھر اس کا سیدھا ہاتھ جیکٹ میں بائیں سمت رینگ گیا تا کہ وہ بغل ہولسٹر سے کوئی اسلحہ نکالنا چاہتا تھا لیکن اس نے جلد بازی سے کام نہیں لیا۔ پہلی بار براہ راست مجھ سے بڑے کھردرے اور سرد لہجے میں مخاطب ہو کر کہا۔

"ہم اس وقت ایک ضروری بزنس ڈیل کر رہے ہیں جس میں کسی تیسرے شخص کی موجودگی برداشت نہیں کی جاسکتی۔" اس کی آواز میں چیلنج تھا۔ میں اپنے چاروں طرف آیت الکرسی کا حصار قائم کیے ہوئے تھا اس لیے مجھے یقین تھا کہ مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ میں نے ایک نظر بھر کر اس شخص کو دیکھا جس کے تیور ہر لمحہ خطرناک ہوتے جا رہے تھے پھر بڑی بے پرواہی سے پوچھا۔

"آپ کی تعریف؟"

"لوگ مجھے [illegible] کے نام سے جانتے ہیں۔" وہ غرایا۔ "اور جو مجھ سے واقف ہیں وہ میرے سائے سے بھی دور رہنے کی

aazzamm@yahoo.com

کوشش کرتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں تمہارے سائے سے دور ہی ہوں۔" میں نے کرسی پر پہلو بدل کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات بتانی ضروری سمجھتا ہوں۔ میں ان اجنبیوں سے بات کر کے اپنا وقت برباد نہیں کرتا جو مجھے پہلی نظر میں اچھے نہ لگے ہوں۔"

"تم۔" اس نے مجھے ایک موٹی سی گالی دی پھر اپنا آٹومیٹک ہولسٹر سے نکال لیا جس پر سائلنسر بھی موجود تھا۔ وہ آٹومیٹک کا رخ میری سمت کرتا ہوا بڑے خوفناک لہجے میں بولا۔ "کیا تم شرافت سے زندہ اٹھ کر جانا پسند کرو گے یا۔۔۔"

"بھگوان کے لیے۔" پانڈے نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "میرے آفس میں کوئی خون خرابہ نہ کرنا ورنہ میری کاروباری ساکھ تباہ ہو کر رہ جائے گی۔"

"بری بات ہے بالک۔" میں نے ٹائیگر سے کہا۔ "تم ابھی اتنے جوان نہیں ہوئے ہو کہ اس قسم کے ہتھیار سے کھیلو۔ میری مانو تو اسے واپس اپنے ہولسٹر میں رکھ لو۔ ایک بات اور تمہارے چہرے پر یہ نقلی داڑھی کچھ زیادہ اچھی نہیں لگ رہی۔ کیا تم مجھے اپنا اصلی روپ دکھانا پسند کرو گے۔"

ٹائیگر تیزی سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ فیصلہ کن آواز میں غرّایا "میں صرف تین تک گنوں گا اس کے بعد مجھے تمہاری موت پر کوئی افسوس نہ ہوگا اس لیے کہ انسان کی خون سے ہولی کھیلنا میری عادت ہے۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اچانک غیر ارادی طور پر میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ٹھوس آواز میں کہا اور وہ اس طرح میرے حکم پر دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا جیسے میری آواز نے اسے عمل تنویم کے زیر اثر کر دیا ہو۔ اب اس کی خونخوار آنکھیں جھپکے بغیر میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ سیدھا ہاتھ اس نے نیچے گرا لیا تھا۔ پانڈے اپنی کرسی پر بیٹھا تھر تھر کانپ رہا تھا۔

یکلخت مجھے کمبل پوش بزرگ کا خیال آیا جنہوں نے ایک بار مجھے اس طرح نظر بھر کر دیکھا تھا کہ میں لرز اٹھا تھا۔ مجھے شبہ ہوا تھا کہ اس نیک بزرگ نے اپنی کچھ مخفی طاقتیں میرے اندر منتقل کر دی تھیں۔ شاید اس وقت وہی غیبی قوت میرا ساتھ دے رہی تھی۔ میں نے آزمانے کی خاطر ٹائیگر کو دوبارہ ٹھوس لہجے میں مخاطب کیا۔

"تمہارا اصلی نام کیا ہے؟"

"رندھیر۔" اس نے کسی معمول ہی کی طرح جواب دیا۔ اس کی آنکھیں اب ویران سی نظر آ رہی تھیں۔

"یہاں کیوں آئے تھے؟"

"پانڈے جی سے دس لاکھ کا چیک وصول کرنے۔"

"کس کے حکم سے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے فون پر باس نے یہی حکم دیا تھا۔"

"تمہارے باس کا نام کیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" رندھیر نے سنجیدگی سے کہا۔

"پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارا باس ہی ہے۔"

"تھری فائیو کے کوڈ نمبر سے۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "بہرام نے ایک بار مجھے یہی کوڈ نمبر بتایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اس کوڈ کے حوالے کے بعد جو حکم بھی ملے اس پر عمل کروں۔"

"بہرام اب کہاں ہے؟" میں نے بہرام کے نام پر چونکتے ہوئے سوال کیا۔ "کیا سمبندھ تھا تمہارا اس کے ساتھ؟"

"وہ۔ وہ میرا استاد تھا لیکن اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ اسے مار ڈالا گیا ہے اور اب میں اس کی جگہ تھری فائیو کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔"

"پانڈے سے دس لاکھ وصول کر کے تم اس کا کیا کرتے؟"

"مجھے صرف رقم وصول کرنے کا حکم ملا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔"

پانڈے کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے کبھی میری طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی ٹائیگر یا رندھیر کی جانب گھورنے لگتا۔

"اب تمہیں میرے حکم پر عمل کرنا ہوگا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"کیا تمہارے پاس آٹومیٹک کے علاوہ اور کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"اپنے نشانے پر تمہیں وشواس ہے۔"

"آج تک کوئی اڑتی ہوئی چڑیا بھی میری گولی سے بچ کر نہیں جا سکی۔"

"گڈ۔ آدمی کام کے ہو۔" میں نے ایک نظر پانڈے کو دیکھا پھر رندھیر سے تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "تم اب پانڈے جی پر صرف دو فائر کرو گے اس طرح کہ ایک گولی سیدھے ہاتھ پر لگے اور دوسری الٹی ٹانگ پر۔ میں تمہیں صرف تین منٹ دے رہا ہوں اس کے بعد ہو سکتا ہے کہ یہی عمل مجھے تمہارے ساتھ کرنا پڑے اور ہاں ایک بات کا دھیان رکھنا کہ پانڈے جی کو مرنا نہیں چاہیے۔"

میرا حکم سن کر رندھیر تیزی سے اٹھا۔ اب اس کا رخ پانڈے کی سمت تھا اور آٹومیٹک فضا میں آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ "بھگوان کے لیے" پانڈے کانپتا اور لرزتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ہذیانی انداز میں گڑگڑایا۔ "میرا سارا دھن لے لو لیکن مجھے گولی مت مارو۔ میں تم سے بنتی کرتا ہوں۔"



لیکن پھر جو کچھ ہوا وہ میری خواہش کے عین مطابق تھا۔ رندھیر کا نشانہ واقعی سچا تھا۔ آفس میں دوبارہ مدھم آواز میں "ٹھک ٹھک" کی آواز ابھری اور پانڈے کراہتا ہوا زمین پر الٹ گیا۔ اس کے سیدھے ہاتھ اور الٹی ران سے خون ابل رہا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور رندھیر کو مخاطب کر کے ٹھوس آواز میں بولا۔

"میں جا رہا ہوں۔ میرے جانے کے ٹھیک دس منٹ بعد تم یہ آٹومیٹک اپنی کنپٹی پر رکھ کر لبلبی دبا دو گے۔ کیا تم میرا حکم سن رہے ہو۔"

"ہاں۔" رندھیر نے خوابیدہ کیفیت میں میرے الفاظ دہرائے۔

پانڈے فرش پر پڑا ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ میرے لیے اب وہاں رکنا مناسب نہیں تھا۔ میں خاموشی سے آفس سے باہر نکلا اور بڑے اطمینان سے چلتا ہوا عمارت سے باہر آ کر اس طرف چل دیا جہاں میں نے دو فرلانگ کے فاصلے پر اپنی کار کھڑی کی تھی لیکن اس وقت میری کار کی نمبر پلیٹ بدلی ہوئی تھی۔ مصلحتاً اس کا اہتمام میں نے پانڈے کے آفس جانے سے پہلے ہی کر لیا تھا۔

میں در اصل نسیم کا انتقام لینے کی خاطر پانڈے کے دفتر گیا تھا لیکن وہاں رندھیر کی موجودگی نے میری مشکل حل کر دی تھی۔

دس منٹ بعد میں اپنی گاڑی میں بیٹھا سول لائنز ایریا کی طرف جا رہا تھا اور کمبل پوش بزرگ کی بخشی ہوئی اس طاقت کے بارے میں غور کر رہا تھا جس کے بارے میں مجھے پہلی بار علم ہوا تھا۔

نہ جانے کیوں میرا دل اور میری چھٹی حس گواہی دے رہی تھی کہ اب میں ان ماورائی، شیطانی اور ناپاک قوتوں سے بھی آسانی سے نبرد آزما ہو سکتا ہوں جنہوں نے عرصہ حیات مجھ پر تنگ کر رکھا تھا۔

وہ آواز سو فیصد میری اپنی ہی تھی جس نے ٹائیگر کو بیٹھ جانے کا حکم دیا تھا لیکن اس میں میرے ارادے یا کسی جذبے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس کسی غیبی اشارے کے تحت غیر ارادی طور پر وہ کلمات میری زبان سے ادا ہو گئے تھے۔ وہ یقیناً ان ہی کمبل پوش بزرگ کی کرامت تھی جس نے میری زبان میں ایک مقناطیسی تاثیر پیدا کر دی تھی۔ ایک معجزہ تھا جو قدرت کے اشارے پر رونما ہو گیا تھا۔

مگر ایک بات اپنی جگہ طے تھی مجھے یقین تھا کہ اس سفید ریش بزرگ نے اپنی کچھ طاقتیں روحانی طور پر میرے اندر منتقل کر دی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ٹائیگر کے ہاتھوں میری موت یقینی تھی۔ اسی نے بہرام کا حوالہ بھی دیا تھا جسے شہر کا سب سے بڑا بدمعاش اور دہشت گرد کہا جاتا تھا۔ سراج کے بیان کے مطابق بہرام پولیس لسٹ پر سرفہرست تھا لیکن اسے اونچے حلقوں کی پشت پناہی حاصل تھی۔ ایسے افراد کی حمایت حاصل تھی جو برسر اقتدار پارٹی کے اندر خاصی مضبوط کرسیوں پر براجمان تھے جن کا محض ایک اشارہ کسی بھی اہم سے اہم ترین فائل کو نذر آتش کر دینے کے لیے کافی تھا۔

پانڈے بظاہر بے قصور تھا خود کالکا نے بھی اعتراف کیا تھا کہ اس کی حیثیت کسی ایسے کھلونے جیسی تھی جسے ریموٹ کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ وہ دس لاکھ کا چیک بھی موہنی کے اشارے پر ہی کاٹنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ میرا ذاتی مشاہدہ بھی یہی تھا کہ پانڈے صرف ایک بزنس مین ہے جو صرف اپنے کام سے کام رکھنے کا عادی تھا۔ کسی نفع یا نقصان کی خاطر وہ کسی کے خلاف طاقت کا استعمال کرنے کا عادی نہیں تھا۔

لیکن نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع نے میرے اندر سلگتے ہوئے آتش فشاں کو جیسے کرید دیا تھا۔ نسیم بے قصور تھی، معصوم تھی ہم سے ہزاروں میل دور بیٹھی تھی لیکن اسے سزا صرف اس لیے ملی تھی کہ وہ مجھ سے متعلق تھی۔ عقیدت و احترام، جزا و سزا میں بھی حیثیت کو بڑا دخل ہوتا ہے چنانچہ موہنی کی قوت نے اسے صرف مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے ایک حادثے سے دوچار کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تو نسیم کو اپنی ناپاک طاقت کے ذریعے موت کے گھاٹ بھی اتار سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ نسیم کو زندگی بھر کے لیے ایک عذاب میں مبتلا کر کے مجھے ذہنی طور پر چرکے پہنچانے کی متمنی تھی۔ نسیم کے انتقام کے جواب میں ہی میرا ذہن پانڈے کی طرف گیا تھا۔ وہ بھی بے قصور تھا مگر میں بھی اسے ایک کرب ناک سزا دے کر موہنی کو باور کرانا چاہتا تھا کہ میں بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتا ہوں۔

اتفاق ہی تھا جو ٹائیگر کی وہاں موجودگی نے میری مشکل آسان کر دی تھی۔ پانڈے کے زخمی ہونے اور ٹائیگر کی خودکشی کے بعد یہ معاملہ محض ان دونوں کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ پولیس کی تفتیش کے بعد یہی رپورٹ مرتب ہوتی کہ ٹائیگر جو کسی اچھی شہرت کا مالک نہیں تھا کسی خطرناک ارادے سے پانڈے کے دفتر گیا ہوگا پانڈے نے اسے دس لاکھ کا چیک لکھ دیا تھا مگر پھر کسی بات پر معاملہ طول پکڑ گیا اور ٹائیگر نے اپنے حریف کو زخمی کر دیا۔ اس کے بعد اسے کسی وجہ سے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ پانڈے کے آفس سے زندہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا چنانچہ پولیس کے ہاتھوں میں پھنس کر عدالت سے سزائے موت یا عمر قید سے بچنے کی خاطر اس نے خودکشی کو ترجیح دی ہوگی۔

میرے ذہن میں پانڈے اور ٹائیگر کے ٹکراؤ تانے بانے کا خیال ابھرا تو مجھے ہنسی آ گئی۔ کبھی کبھی تقدیر مہربان ہو کر انسان کے لیے ایسے راستے پیدا کر دیتی ہے کہ وہ کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور اس پر کسی قسم کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میرے ساتھ بھی کچھ

aazzamm@yahoo.com

ایسا ہی اتفاق سرزد ہوا تھا۔

اپنے مفروضوں کی تصدیق کی خاطر میں نے گاڑی کی نمبر پلیٹ دوبارہ تبدیل کی اور اپنے اصل حلیے میں سراج کے پاس اس کے دفتر چلا گیا۔ میری توقع کے عین مطابق سراج اس وقت ذہنی طور پر بڑا منتشر نظر آرہا تھا۔

"آپ!" اس نے مجھے اپنے دفتر میں دیکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔

"میں آپ کو ایک ضروری اطلاع دینے آیا ہوں۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فنڈی قوتیں پھر سے میرے خلاف سرگرم عمل ہو گئی ہیں۔ لندن میں نسیم کو ایک حادثہ پیش آیا ہے جس کی وجہ سے اس کا خوبصورت چہرہ داغدار ہو گیا ہے۔"

"کیا یہ ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہو سکتا؟" سراج نے عین پولیس والوں جیسا انداز اختیار کیا۔

"ناسٹر لیلی کو پیش آنے والے حادثوں کو آپ کیا کہیں گے؟" میں نے تلخ انداز اختیار کیا۔ "پوسٹ مارٹم کی وہ رپورٹ جو میرے والد کی موت پر تیار ہوئی تھی اور ڈاکٹروں نے جو بیانات دیے تھے اس سلسلے میں آپ کا جواب کیا ہوگا؟ خان جابر اور بہرام کی موت کے باوجود ابھی تک دانش لاپتہ ہے۔ جو مریض بہوش کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہو سکتا تھا وہ پولیس کے ہاتھ آگیا تھا لیکن کس حالت میں؟ کیا یہ سب کچھ محض اتفاق تھا؟"

"آپ شاید سچ کہہ رہے ہیں۔" سراج نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا "خود میں بھی ایسے ہی واقعات سے دوچار ہو رہا ہوں جس نے میری عقل گم کر کے رکھ دی ہے۔ ہر وہ مشکوک آدمی جو ہمیں مطلوب ہوتا ہے وہ مردہ حالت میں پایا جاتا ہے۔"

"کوئی نئی اطلاع؟"

"جی ہاں۔" سراج نے کہا پھر ناگیر کی خودکشی اور پانڈے کے زخمی ہونے کی کہانی سناتے ہوئے بولا۔ "ناگیر بہرام کا دست راست تھا اس لیے وہ ہمارے کام آسکتا تھا لیکن اس نے بھی پراسرار طور پر خودکشی کرلی حالانکہ پانڈے کے دفتر میں کام کرنے والوں کا بیان ہے کہ انہوں نے نہ تو گولیاں چلنے کی آوازیں سنیں نہ ہی پانڈے جی کے آفس کے اندر کسی قسم کی افراتفری پائی گئی۔"

"پانڈے کا کیا بنا؟" میں نے مصنوعی پریشانی کا اظہار کیا۔ "ان کی حالت تشویشناک تو نہیں ہے؟"

"میرا ایک انسپکٹر اس ہسپتال میں موجود ہے جہاں مسٹر پانڈے کا آپریشن ہو رہا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے پانڈے بچ جائے گا لیکن کوئی بات یقینی طور پر نہیں کہی جاسکتی۔"

"کیا دس لاکھ کا وہ چیک پولیس کے ریکارڈ پر آگیا ہے؟"

"جی ہاں۔ محض کاغذی کارروائی کی حد تک۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہ چیک کسی کے نام پر نہیں کاٹا گیا تھا۔ اس پر سیلف درج ہے اور پانڈے کے مکمل دستخط بھی نہیں ہیں۔"

"مکمل دستخط سے آپ کی کیا مراد ہے؟" میں نے وضاحت چاہی۔

"پانڈے اپنے کاروباری چیک پر بے ایس پانڈے کے دستخط کیا کرتا تھا جبکہ جو چیک پولیس کو ملا ہے صرف بے ایس اور پی اے تک درج ہے۔"

"آئی سی۔" میں نے پرخیال لہجے میں کہا۔ "تو پانڈے کے دستخط مکمل کرنے سے پہلے ہی دونوں فریق کے درمیان کوئی بدمزگی پیدا ہو گئی تھی اور اسی بدمزگی کے نتیجے میں پانڈے کو گولی ماردی گئی لیکن ناگیر یا رندھیر کی خودکشی کے بارے میں آپ یہاں کیا کہیں گے؟"

"اس کا جواب شاید وہ نووارد دے سکتا ہے جو پانڈے کے دفتر میں کھیلے جانے والے سنگین ڈرامے سے کچھ قبل وہاں آیا تھا۔"

"دفتر والوں نے اس کی شناخت کے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

"وہ نووارد کا صرف حلیہ بتا سکے ہیں۔" سراج نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "دفتر والوں کا بیان ہے کہ اس شخص کو وہاں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی بہوش کی کوئی خطرناک چال ہو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "بہرام خان جابر پولیس کو مطلوب، مسافر اور پھر اس کے بعد ناگیر۔ کیا سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں نہیں ہو سکتیں؟"

"میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن...." سراج کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"لیکن کیا؟" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"جہاں تک ماورائی قوتوں کا معاملہ ہے تو اس کے ناقابل یقین واقعات میں خود اپنی نگاہوں سے دیکھ چکا ہوں لیکن ایک بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"فنڈی طاقتوں کی پراسرار کارگزاریوں کے خلاف جواب میں انتقامی کارروائی کون کر رہا ہے؟" سراج نے جھجکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب تک ایک طرف سے جو عمل ہوا ہے دوسری جانب سے اس کا ردعمل بھی ضرور ہوا ہے۔"

"سمجھا۔" میں نے زہرخند سے جواب دیا۔ "وہ دوسری شخصیت میرے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ناپاک اور کالی قوتیں میرے ہی پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہیں۔"

"آپ غلط مطلب اخذ کر رہے ہیں مسٹر شہباز۔" سراج نے بات بنانے کی کوشش کی۔ "ہو سکتا ہے ہمیں ٹریک سے ہٹانے کی خاطر خود نادیدہ قوتیں ہی یہ کھیل کھیل رہی ہوں لیکن پھر...."

"آپ نا با" عدیم کا نام لیتے لیتے رک گئے۔" میرا لہجہ تیکھا ہو گیا۔ "وہ بہرحال میرا کلاس فیلو ہے جگری دوست ہے اور نسیم کے رشتے کی وجہ سے ہمارے درمیان ایک خاص تعلق بھی پیدا ہو گیا ہے۔ اگر آپ کے شبہے کے مطابق پس منظر میں عدیم کا ہاتھ کام کر رہا ہے تو کیا آپ اسے ایک فطری عمل نہیں کہیں گے؟"

"اوہ۔ آپ شاید برا مان گئے۔" سراج نے ایک بار پھر وضاحت کی۔ "کبھی آپ کا تعلق بھی پولیس کے محکمے سے رہ چکا ہے۔ ہم کسی امکان یا پہلو کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ ویسے ایک بات آپ کو بہرحال ماننی پڑے گی کہ مسٹر عدیم کا تعلق جس کاروبار سے ہے اسے اچھا نہیں 'سمجھا جاتا۔"

"مسٹر سراج! آپ نے شاید وہ مثل ضرور سنی ہوگی کہ یار کا تعلق یار کی یاری سے ہوتا ہے اس کے افعال یا کاروبار سے نہیں۔" میں نے اس بار زیادہ تلخی سے جواب دیا۔ "آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اکثر اپنی چھٹی حس کے حوالے سے آپ کے سامنے کچھ شبہات کا اظہار مختلف مواقع پر کیا تھا جو بعد میں حرف بحرف درست ثابت ہوئے تھے۔ ان باتوں کی بنیاد پر اگر آپ میرے خلاف بھی پولیس کے نکتہ نگاہ سے کچھ مشکوک ہوں تو میں اس پر کوئی اعتراض کرنے کے بجائے اسے بھی آپ کی پیشہ ورانہ صلاحیتوں ہی سے تعبیر کروں گا۔"

"پلیز مسٹر شہباز..... یقین کیجئے کہ میرا مطلب وہ نہیں تھا جو آپ سمجھ رہے ہیں۔"

"سوچنا اور سمجھنا ہر فرد کا بنیادی حق ہے جسے قانون کی کسی بھی شق سے قابل گرفت نہیں کیا جاسکتا۔" میں نے تیزی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے اس وقت یہاں آکر آپ کو ڈسٹرب کیا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ۔"

پھر میں تیزی سے سراج کے کمرے سے باہر نکل گیا اور اس غریب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ناگیر کو ٹھکانے لگانے اور پانڈے سے نسیم کا انتقام لینے کے بعد میرے حوصلے بلند ہو گئے کرسی اور طاقت کا نشہ صرف وہی خوب جانتے ہیں جو اس کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ شراب کا نشہ جز وقتی ہوتا ہے کچھ دیر تک انسان کے قدم لڑکھڑاتے ہیں اس پر سرور و کیف کی لہر آتی ہے لیکن پھر گزر جاتی ہے لیکن طاقت کا نشہ دو آتشہ ہوتا ہے۔ اس میں انسان کے قدم میں کوئی لرزش کوئی کپکپاہٹ نہیں ہوتی بلکہ اس کے قدم اور مضبوطی سے زمین پر جم جاتے ہیں۔ میری حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ کمبل پوش بزرگ نے مجھے جو قوت بخشی تھی اس نے میرے اندر ایک نیا جوش ایک نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ اب تک دشمن مجھے قدم قدم پر بے بس کرنے کی خاطر چوٹ دیتے رہے تھے اب میری باری تھی۔ سراج ایک ذہین اور دیانت دار آفیسر تھا۔ اس نے کسی مقابل پارٹی کا شبہ ظاہر کر کے یقیناً اپنی دور اندیشی کا ثبوت دیا تھا۔ تالی بھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اس کے لئے دوسرے ہاتھ کی بھی ضرورت ہوتی ہے یہ بات ایک عام آدمی بھی جانتا ہے۔ سراج تو پھر ایک تجربہ کار آفیسر تھا۔ میں اس کرے سے ناگواری کا اظہار کر کے اٹھا تھا۔ ناگیر کی موت سراج کے لئے بھی یقیناً خوشخبری ہی ثابت ہوئی تھی۔ میرے لئے ضروری تھا کہ فوری طور پر پانڈے سے مل کر اس کے دل سے اپنے خلاف شکوک کو دور کر سکوں۔ کوئی دعا کی موت کے بعد اس نے یقیناً میری طاقت کا تھوڑا سا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ راکیش اس لیے کے ایک معبد ضرور تھا مگر اس نے پہلی ملاقات کے وقت ہی اس بات کے شبہے کا اظہار کیا تھا کہ میں شہباز کا کوئی ماتحت ہوں۔ ہوش میں آنے کے بعد وہ یہی بیان پولیس کو بھی دے سکتا تھا۔ ہرچند کہ سراج یا پولیس ڈیپارٹمنٹ کو میرے ور کرز میں راکیش نامی کوئی آدمی نہ ملتا لیکن میں پولیس کو خود سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ راکیش نامی کسی شخص کی عدم موجودگی میں وہ یہ شبہ بھی کر سکتے تھے کہ میرے ہی کسی آدمی نے راکیش کا میک اپ اختیار کر کے پانڈے کو زخمی کرنے کی سازش کی ہوگی۔ ممکن تھا میرا اندیشہ غلط ہی ثابت ہوتا لیکن بہرحال میرے دل کے اندر ایک چور تھا جس کی پردہ پوشی میرے لئے ضروری تھی۔

میں روپ نگر میں ایک ذمے دار پولیس آفیسر رہ چکا تھا مجھے اس کا علم بخوبی تھا کہ پولیس اگر ایک بار کسی پر شبہ کرلے تو آخری دم تک اسے دور کرنے کے لیے سرگرداں رہتی ہے۔

میرا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ عدیم بھی اچانک نسیم کو پیش آنے والے حادثے کی اطلاع پاکر چلا گیا تھا۔ اس کا ابھی تک کوئی پتا نہیں تھا۔ صرف ایک خیال سا تھا کہ شاید وہ پہلی فلائٹ سے لندن چلا گیا؟ لیکن مجھے اس کی تصدیق کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں عدیم کے بارے میں غور کرنے لگا۔ نسیم اسی کے کیسینو میں ایک ڈانسر تھی۔ وہ بلاشبہ خوبصورت جسم اور دلکش چہرے کی مالک تھی لیکن عدیم نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی پھر میں نے نسیم کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ اس کے حالات جاننے کے بعد اسے ایک بھائی کا پیار دیا تو عدیم کا زاویہ نگاہ بھی بدل گیا۔ میرے کہنے پر اس نے نسیم کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ نسیم سے کس قدر پیار کرتا تھا۔ حالات کے منجدھار سے دور رکھنے کی خاطر ہی اس نے نسیم کو لندن میں چھوڑ دیا تھا۔ راجو اور عدیم کے جاں نثاروں کی ایک ٹیم نسیم کی حفاظت پر مامور تھی لیکن وہ لوگ بہرحال نادیدہ قوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے موہنی کی گندی قوت اپنا کام کرگئی۔

پھر یکلخت عدیم کے بارے میں سوچتے سوچتے اس کے حوالے سے میرے ذہن میں ولیم پارکر کا نام ابھر آیا جو عدیم کے

aazzamm@yahoo.com

دماغ کی اختراع تھی۔ اس نام کے ذہن میں ابھرتے ہی میرے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ مجھے وہ سوال کیا جس کی مجھے فکر لاحق تھی چنانچہ میں نے گاڑی ایک پبلک بوتھ کے قریب روکی۔ بوتھ میں جا کر سراج کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہیلو۔" دوسری جانب سے سراج ہی کی آواز ابھری۔ وہ ابھی تک الجھا ہوا تھا۔

"شہباز تمہارے پاس کس غرض سے گیا تھا؟" میں نے ولیم پوکر کی آواز بناتے ہوئے خشک لہجے میں دریافت کیا۔

"تم۔۔۔ شاید۔۔۔"

"شاید نہیں، میں یقیناً ولیم پوکر ہی بول رہا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے تمہیں ایک ذہین آفیسر سمجھا تھا لیکن تم نے میرے بہت سے ٹرمپ کارڈز ضائع کر دیے۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اس مریض کا ہے۔ جس کی لاش تمہیں ایمبیسیڈر ہوٹل سے ملی تھی۔ اس کا بیان اس بھوشن کو پھنسوا سکتا تھا۔"

"لیکن۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے راستے میں کیا دشواریاں پیش آئی تھیں" میں نے روکھے انداز میں کہا۔ "بہر حال بھوشن نے اگر میرا حصہ شرافت سے نہ دیا تو شاید وہ بھی اس دولت پر اکیلے قابض نہ رہ سکے گا۔ تم قانون کے محافظ ہو۔ اس لیے اپنے خول اور دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے۔ تمہارے لیے حد بندیوں کو پھلانگنا ناگزیر ہے لیکن مجھ پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں ہوتی۔ میں جب چاہوں بھوشن کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں لیکن میں اسے اتنی آسانی سے نہیں ماروں گا۔ ابھی مجھے اس سے بہت سارے حساب برابر کرنے ہیں۔"

"تم نے مسٹر شہباز کا نام کیوں لیا تھا؟" سراج کا یہ سوال میری توقع کے عین مطابق تھا۔

"میں نہیں چاہتا کہ تمہارا وہ دوست بلا وجہ درمیان میں آکر الجھ جائے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں تمہیں اتنا کند ذہن نہیں سمجھتا تھا۔" میں نے قدرے جھلا کر کہا۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ تمہارے دوست کے گھر کو آگ لگانے میں خان جابر کا ہاتھ تھا۔ خان جابر جو بہرام کا استاد تھا اور یہ دونوں حرامزادے بھوشن کے خاص آدمی تھے۔ کیا تم اب بھی دو اور دو چار نہیں کر سکتے؟"

"کیا مسٹر شہباز کے مکان کو بھوشن کے اشارے پر نذر آتش کیا گیا تھا؟"

"تم نے میری تمام محنت پر پانی پھیر دیا ڈی ایس پی۔" میں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "مریض مسافر اور بہرام دونوں تمہارے ہاتھ سے نکل گئے لیکن میں نے اب بھی اپنی ہار تسلیم نہیں کی۔"

"اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کرنا تھا وہ کر چکا ہوں لیکن اسے ابتدا سمجھو۔"

"کیا؟" سراج کا چونکنا قدرتی امر تھا۔ "کیا ناگیندر کی موت"

"کیوں۔" میں نے جلدی سے سراج کی بات کاٹی۔ "کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ ناگیندر بھی بہرام اور خان جابر کے سلسلے کی ایک درمیانی کڑی تھا۔ ناگیندر کی موت کے بعد میں اس ولد الحرام بھوشن کو بھی الٹی میٹم دے چکا ہوں کہ اگر اب بھی اس نے مجھے جائیداد کا وہ حصہ میرے حوالے نہ کیا جس کا میں حقدار ہوں تو پھر اس کا انجام بھی ان لوگوں سے مختلف نہ ہوگا جو موت کی نیند سو چکے ہیں۔"

"مگر پانڈے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا؟"

"براہ راست مجھے تمہارے پانڈے جی سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن وہ جو دس لاکھ کا چیک لکھ کر ناگیندر کے حوالے کر رہا تھا وہ بھی کیش ہونے کے بعد بھوشن ہی کے کھاتے میں جمع ہوتا اسی لیے میں نے اسے ایک معمولی سزا دی ہے۔" میں نے سرد لہجہ اختیار کیا۔ "گھبراؤ نہیں۔ پانڈے مرے گا نہیں لیکن اتنا ضرور یاد رکھے گا کہ اگر دوبارہ اس نے بغیر سوچے سمجھے کوئی دوسرا چیک کاٹنے کی حماقت کی تو وہ اس کی زندگی کا بھی آخری چیک ہو سکتا ہے۔"

"کیا میں اب تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا؟" سراج نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لے کر تم بھی مجرموں کی صف میں شامل ہو جاؤ گے۔ میری مانو تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"تمہارے مشورے کا بہت بہت شکریہ ڈی ایس پی۔" میں نے الفاظ چباتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "فی الحال میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم مسٹر شہباز کو کچھ دنوں کے لیے خاموش اور دور دور رہنے کا مشورہ دے دو۔ بھوشن اور اس کے زر خرید شکاری کتوں کی وجہ سے تمہارے دوست کو جو نقصان پہنچا ہے اب اسے ولیم پوکر پورا کرے گا۔"

اس کے بعد میں نے رابطہ منقطع کیا اور دوبارہ آکر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ خوش بھی تھا کہ ولیم پوکر کے فرضی کردار نے میری ایک بڑی مشکل آسان کر دی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے اس بات کا احساس بھی تھا کہ ولیم پوکر کا نام سن کر سراج کے ذہن میں ایک کھلبلی ضرور مچ گئی ہوگی۔

دوسرے دن میں ہسپتال پہنچا تو پانڈے کو آپریشن کے بعد وی آئی پی روم میں منتقل کیا جا چکا تھا جہاں ایک سب انسپکٹر اور چار مسلح پولیس والے باقاعدہ تعینات تھے۔ کسی ملاقاتی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی لیکن سب انسپکٹر چونکہ سراج کی وجہ سے مجھ سے واقف تھا اس لیے مجھے پانڈے سے ملنے میں زیادہ دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

پانڈے اس وقت ہوش و حواس میں تھا، مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"مجھے وشواس تھا کہ آپ میری خیریت دریافت کرنے ضرور آئیں گے۔"

"لیکن یہ سب ہوا کیسے؟"

"سب قسمت کے کھیل ہیں۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا۔ "منش بھگوان کی مرضی کے خلاف کیا کر سکتا ہے۔"

"ڈاکٹروں کا کیا کہنا ہے۔ آپ ٹھیک تو ہو جائیں گے؟"

"زخم زیادہ خطرناک نہیں ہے۔" پانڈے نے کہا۔ "ڈاکٹروں نے وشواس تو دلایا ہے کہ میرا ہاتھ اور پاؤں دوبارہ کام کرنے لگے گا۔ آگے جو بھاگیہ میں لکھا ہے وہ تو ہر حال میں ہو کر رہے گا۔"

میرے اور پانڈے کے درمیان وہی گفتگو ہوتی رہی جو پہلے سے میرے علم میں تھی پھر اچانک پانڈے نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور پوچھیے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر میں آپ کے کسی کام آسکا تو میری خوش قسمتی ہوگی۔"

"کیا آپ راکیش نامی کسی آدمی سے واقف ہیں؟"

"راکیش۔" میں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت چونکتے ہوئے اس نام کو دہرایا۔ "آپ نے یہ نام کہاں سنا ہے؟"

"وہ دو بار مجھ سے ملا تھا اور دونوں ہی بار خطرناک حالات سے دوچار ہونا پڑا۔" پانڈے نے میرے چہرے کے تاثرات کو بغور گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "کل جب ناگیندر یا رندھیر نامی بدمعاش نے مجھ پر گولی چلائی اس سے بھی وہ میرے آفس میں موجود تھا۔ اسی کے کہنے پر ناگیندر نے مجھے زخمی کیا تھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ راکیش بھی کوئی خطرناک آدمی ہے۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "ایک بار وہ مجھ سے مل چکا ہے۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی سازش کی تو وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"آئی سی۔" پانڈے نے پر خیال انداز میں جواب دیا۔ "پھر تو وہ ہم دونوں کے ساتھ ڈبل گیم کھیل رہا ہے۔ پچھلی ملاقات میں اس نے مجھ سے بھی کچھ ایسی ہی باتیں کی تھیں جیسے وہ آپ کا کوئی خاص آدمی ہے۔ پر ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اسے ہم دونوں کو چیٹ کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی اور ناگیندر وہ تو راکیش کے سامنے بالکل بھیگی بلی بن گیا تھا۔"

"مجھے سراج صاحب سے کچھ تفصیل معلوم ہو چکی ہے۔" میں نے کچھ توقف سے پوچھا "کیا آپ دس لاکھ کا وہ چیک ناگیندر کے ہی لیے کاٹ رہے تھے؟" پانڈے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اچانک اس کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلانے لگے تھے۔

"آپ پریشان نہ ہوں پانڈے جی۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ "ہمارے درمیان جو گفتگو ہوگی وہ کوئی اور نہیں سن سکے گا۔"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن۔۔۔"

"میرا خیال ہے کہ اس چیک کے پیچھے بھی سوہنی کا ہاتھ ہوگا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے مگر ایک بات اور بھی مجھے پریشان کر رہی ہے۔"

"کیا؟"

"پچھلی بار آپ جب میرے دفتر آئے تھے اس کے بعد سے کومل درما مجھے نظر نہیں آئی۔"

"آئی سی۔" میں نے بات بنائی۔ "ہو سکتا ہے کہ کومل درما اور سوہنی ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہوں اور کومل درما کی حیثیت میں آپ کے دفتر میں کام کرنے کا جو مقصد تھا اس کے پورا ہو جانے کے بعد وہ آپ کے سامنے نہ آرہی ہو۔"

"لیکن اس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"کبھی ملاقات ہوئی تو پوچھ کر بتاؤں گا۔" میں نے ازراہ تفنن کہا لیکن پانڈے میرے طنز کو نہیں سمجھ سکا بدستور سنجیدگی سے بولا۔ "ایک بات مجھے اور بے کل کر رہی ہے۔ اگر ناگیندر سوہنی کے اشارے پر میرے پاس چیک لینے آیا تھا تو پھر اس کی آتما نے ناگیندر کی رکھشا کیوں نہیں کی؟"

"اوہ۔" میں نے پانڈے کو الجھانے کی خاطر کہا۔ "شدی آتمائیں ہر قسم کا روپ اختیار کر سکتی ہیں۔ کیا راکیش بھی سوہنی ہی کا کوئی تیسرا روپ نہیں ہو سکتا اور اس نے محض الجھانے کی خاطر ایک نیا ڈرامہ پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے مسٹر شہباز لیکن جب میں اس کی آتما کے اشارے پر چل رہا ہوں تو پھر اسے مجھے نقصان پہنچانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"ناگیندر کا ہاتھ ذرا بہک جاتا تو گولیاں آپ کی ران اور ہاتھ پر لگنے کے بجائے دل یا کنپٹی پر بھی لگ سکتی تھیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں جواب دیا تو پانڈے نے میرے خیال سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ راکیش ہی نے ناگیندر کو حکم دیا تھا کہ میں مرنے نہ پاؤں اور گولیاں میرے سیدھے ہاتھ اور الٹی ران پر لگنی چاہئیں۔"

"ون منٹ۔" میں نے بڑی خوبصورت اداکاری کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ناگیندر اور راکیش دونوں ایک ساتھ آپ کے

aazzamm@yahoo.com

پاس آئے تھے؟"

"نہیں۔ پہلے ہائیجر آیا تھا اس کے کچھ دیر بعد راکیش آیا تھا۔"

اسی لمحے سراج کمرے میں داخل ہوا تو میں پانڈے سے ہاتھ ملاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ سراج کی طرف میں نے دیدہ و دانستہ کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی بلکہ اسے نظرانداز کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مسٹر شہباز" سراج نے مجھے روکنے کی کوشش کی۔ "مجھے آپ سے ایک بات کی وضاحت کرنی ہے۔"

"پھر کبھی سہی۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے اور آپ۔ آپ تو جب چاہیں پولیس کے دو کارندے بھیج کر مجھے اپنے دفتر میں بھی طلب کر سکتے ہیں۔" میں نے زہرخند سے کہا پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں دراصل سراج کو اس بات کا پوری طرح احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس نے اگر میری ذات پر "دوسری پارٹی" ہونے کا شبہ کیا ہے تو وہ غلط ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حربہ تھا جس میں ابھی تک مجھے ناکامی نہیں ہوئی تھی۔

ندیم کے بارے میں میرا خیال غلط نہیں تھا وہ فوری طور پر نیلم کو پیش آنے والے حادثے کی خبر سن کر لندن روانہ ہو گیا تھا میرے اس خیال کی تصدیق کیسینو کے منیجر نے کر دی تھی لیکن وہ اس بات کا کوئی خاطرخواہ جواب نہیں دے سکا کہ اس کی واپسی کب تک ہو گی۔

دفتر پہنچ کر میں نے سب سے پہلے لندن میں ندیم سے رابطہ قائم کیا "عارفہ اگر ہوتی تو یہ کام وہ انجام دیتی لیکن وہ دوسروں کی نظروں میں مر چکی تھی اور میں نے اس کی سیٹ پر ابھی کسی دوسرے کو تعینات نہیں کیا تھا۔ ندیم سے میری گفتگو زیادہ طویل نہیں ہوئی۔ اس کے بیان کے مطابق نیلم حسب معمول صبح کے وقت اپنا ناشتا تیار کر رہی تھی کہ گیس کا چولہا یک دم اتنی تیزی سے بھڑکا کہ وہ بوکھلا گئی پھر اس سے پیشتر کہ وہ سنبھل کر خود کو محفوظ کر سکتی آگ کے شعلوں نے اس کے چہرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اس کے بعد نیلم کو اس وقت ہوش آیا جب وہ ہسپتال میں تھی۔

"ڈاکٹروں کا کیا خیال ہے؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔ "اس کے چہرے کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا؟"

"جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔" ندیم نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "موہنی کی اطلاع غلط نہیں تھی۔ نیلم کی پیشانی پر ایک سیاہ داغ نمایاں طور پر باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے ہو سکتا ہے کہ پٹیاں تبدیل کرتے کرتے وہ نشان مٹ جائے اور یہ بھی ممکن ہے وہ پھیل کر پوری پیشانی کو سیاہ کر دے۔ ڈاکٹر ابھی تک خود بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکے۔"

"اس کے صحت مند ہونے میں کتنے دن لگیں گے؟"

"اس بارے میں ابھی کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔"

"پریشان مت ہو۔" میں نے اسے تسلی دی۔ "ایک دو روز میں میں بھی..."

"نہیں۔" ندیم نے سختی سے تاکید کی "تم یہاں آنے کی حماقت نہ کرنا۔ اگر تم میدان سے ہٹ گئے تو آنٹی اور عارفہ کو بھی کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"لیکن۔"

"مجھے اس بات کا علم ہے میرے دوست کہ تم نیلم کو بہت پیار کرتے ہو لیکن یہ کیوں بھول رہے ہو وہ اب میرے وجود کا بھی ایک اہم حصہ بن چکی ہے۔" ندیم نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "میں نیلم کی دیکھ بھال کر رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ حالات کچھ بہتر ہوں تو میں اسے لے کر واپس آجاؤں۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا' میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"میرا مشورہ ہے کہ تم نیلم کو لے کر یہاں آجاؤ۔" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے ملک میں بھی دنیا کے بہترین سرجن اور ڈاکٹر موجود ہیں۔"

"عارفہ کا کیا حال ہے؟" ندیم نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "اس کی زندگی کی اطلاع ابھی کسی اور کو نہیں ملی؟"

"نہیں۔ فی الحال لوگ اسے مردہ ہی سمجھ رہے ہیں۔"

"شہباز۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔ "میرا ایک مشورہ مانو گے۔"

"کہو؟"

"تم پہلی فرصت میں عارفہ کے ساتھ شادی کر لو' آنٹی کی خواہش بھی ہے اور پھر زندگی اور موت کا کیا بھروسہ۔ کون جانے کس وقت کس کی آنکھ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے اور دوسروں کے دلوں کی حسرت دل کی دل میں ہی رہ جائے۔"

"تمہاری بات سمجھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ "عارفہ مجھے بھی پسند ہے ای کو بھی لیکن ابھی حالات موافق نہیں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بیوی بننے کے بعد بیوہ ہو جائے۔"

"یہ حالات اس وقت بھی تھے جب میں نے نیلم کو اپنایا تھا' اس کی ماں کا عبرتناک انجام یاد ہے نا تمہیں۔" ندیم نے دلیل پیش کی۔ "ماخوتی قوتیں اور ہمارے بدترین دشمن اس وقت بھی ہمارے خلاف ایک کے بعد دوسرا محاذ کھول رہے تھے۔ کسی وقت بھی کوئی سنسناتی ہوئی زہر آلود گولی میری زندگی کا چراغ گل کر سکتی تھی' ایسی صورت میں نیلم کو بھی وہی صدمہ پیش آسکتا تھا جس کا اظہار تم عارفہ کے لئے کر رہے ہو۔"

"میں تمہاری بات کی تردید نہیں کروں گا۔ قدرت کو جو کچھ



منظور ہوتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ جب تم اور نیلم......"

"تم شادی کا یقین دلاؤ میں نیلم کو واپس لانے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آج ہی امی سے تمہاری خواہش کا اظہار کروں گا۔"

"بہت خوب...." ندیم نے پہلی بار ہنس کر کہا۔ "گویا مزے تم اڑاؤ گے اور ساری ذمے داری کا انحصار مجھ پر ہو گا۔"

"ہاں۔" میں نے بڑی اپنائیت کا اظہار کیا "تمہارا کاندھا مجھے اپنے سے زیادہ مضبوط محسوس ہوتا ہے۔"

"چلو یہی سہی لیکن تم آمادہ تو ہوئے۔"

"ایک بات سے ڈر لگتا ہے۔" میں نے ایک لطیف مذاق کیا۔ "کہیں عارفہ سے شادی ہونے کے بعد تم میرے رقیب نہ ہو جاؤ۔"

"بکواس نہیں۔" ندیم نے خوشی کا اظہار کیا۔ "پہلے میں فرار' عارفہ کے ہاتھوں کی کافی کی فرمائش کرتا تھا اور اب تو مجھے اس کا پورا پورا حق حاصل ہو گا۔"

"او کے۔ میں تمہیں بہت جلد خوش خبری سناؤں گا۔ نیلم کا خیال رکھنا۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر ریسیور رکھ کر عارفہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ شاید ایک عرصے سے مجھے پسند کرتی تھی لیکن اس نے کسی زاویے سے بھی کبھی مجھے اس کا احساس نہیں ہونے دیا تھا لیکن درمیان میں ماہ رخ کے آجانے کے بعد اس کے اندر کی قوت زیادہ دنوں تک اپنے پیار کی پردہ پوشی نہ کر سکی۔ وہ کھل کر میرے سامنے آگئی۔ اس کا وہ معصوم سا انداز مجھے اچھا لگا تھا۔ میں نے پہلی بار سنجیدگی سے اس کی خواہش پر غور کیا تو ہر اعتبار سے میرے انتخاب کی مستحق ثابت ہوئی۔ پھر حالات نے اسے میری دہلیز تک پہنچا دیا۔ اب وہ مجھے محبوب نہیں بلکہ محسن سمجھ رہی تھی۔

میں عارفہ کے بارے میں غور کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی کی آواز نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔ "ہیلو.... شہباز اسپیکنگ۔" میں نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا۔

"موہنی بول رہی ہوں۔"

"تم۔" یکلخت میرا موڈ آف ہو گیا۔ "کس لئے فون کیا ہے؟"

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"اب کیا بات باقی رہ گئی ہے۔"

"عارفہ"

"عارفہ!" میں عارفہ کا نام سن کر چونک اٹھا۔

"ہاں۔" موہنی کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔ "مجھ سے ایک بھول ہوئی تھی میں نے عارفہ کے فلیٹ کو خود پھونکنے کے بجائے

اس کی ذمے داری اپنے ایک سیوک کو سونپ دی تھی۔ اس نے مجھے وشواس دلایا ہے کہ تمہاری عارفہ رانی کوئلے کا روپ دھارنے کے بعد راکھ کے ڈھیر میں بدل گئی تھی۔ پر نہ جانے کیوں میرا من کہتا ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی بھول چوک ضرور ہو گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا من کہتا ہے کہ عارفہ ابھی مری نہیں۔۔۔ زندہ ہے۔"

"تمہیں فون کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے نفرت کا اظہار کیا۔ "کیا تم گندی اور ناپاک شکتی کے زور سے اصلیت نہیں معلوم کر سکتیں؟"

"تم نے اپنے چاروں اور سیاہ بادلوں کا جو گھیرا ڈال رکھا ہے اسے بس ایک پل کے لئے درمیان سے ہٹا دو پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ موہنی کتنی مہان شکتیوں کی مالک ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے تضحیک آمیز انداز اختیار کیا۔ "تم مہان شکتیوں کی مالک ہونے کے باوجود میرے معاملات میں مجبور و بے بس ہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی۔"

"یہ خوشی زیادہ دن قائم نہیں رہ سکے گی۔" موہنی کا لہجہ سرد اور سفاک ہو گیا۔ "میں اس منڈل کو بہت جلد توڑ دوں گی جس کے اندر تم نے بہت کچھ چھپا رکھا ہے۔"

"میں اس دن کا بڑی شدت سے انتظار کروں گا۔" میں نے کہا پھر ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ موہنی کے فون نے میرا اچھا خاصا موڈ خراب کر دیا تھا۔

☆☆☆

کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی وہ لڑکی یقیناً خوبصورت اور حسین کہلانے کی مستحق تھی جو اپنی پیشہ ورانہ مسکراہٹیں بار بار اپنے خوش وضع ہونٹوں پر سجا کر مریضوں کو اٹینڈ کر رہی تھی' اس کی مسکراہٹ مریضوں کے لئے زندگی کی نوید بھی کہی جا سکتی تھی لیکن میں وہاں اس کی مسکراہٹ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے نہیں گیا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ جب اس نے ایک غیرملکی مریض کو خلاف توقع بہت زیادہ سنجیدہ پایا تو ایک لمحے کو خود بھی سنجیدہ ہو گئی۔

وہ مریض ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اکثر مریضوں کی توجہ کا مرکز بن چکا تھا۔ اس کے چہرے کی ساخت ہی کچھ ایسی تھی کہ دیکھنے والا ایک لمحے کو اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

اس غیرملکی مریض نے بیگی ٹائپ کی پتلون پر چاکلیٹی رنگ اور چیک ڈیزائن کا ایک چیسٹر پہن رکھا تھا جس کے کالر اس حد تک اٹھے ہوئے تھے کہ اس کے گلے کا بس ایک معمولی سا حصہ نظر آرہا تھا۔ سر پر ہیٹ تھی جس پر روایتی انداز میں کسی پرندے کے سفید و سیاہ پر نظر آرہے تھے۔ گول چہرے پر اس کی لمبی اور خمیدہ ناک کچھ عجیب بے ڈھنگی سی لگ رہی تھی آنکھوں پر

aazzamm@yahoo.com

سیاہ رنگ کا چشمہ تھا جس کا فریم دور ہی سے بہت قیمتی نظر آرہا تھا۔ عمر زیادہ نہ ہونے کے باوجود اس نے الٹے ہاتھ میں واکنگ اسٹک پکڑ رکھی تھی۔ ہونٹوں کے درمیان ایک موٹا سا سگار تھا جس سے خارج ہونے والے دھوئیں کی مہک پورے ویٹنگ لاؤنج میں لرزاں پھر رہی تھی۔ وہ آدھے گھنٹے سے زیادہ کاؤنٹر کے قریب ہی کھڑا اپنے نمبر کا انتظار کررہا تھا۔ اس عرصے میں ایک بار بھی اس نے سگار کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جس کے باعث جلی ہوئی سگار کی راکھ نے ابھی تک اپنے وجود سے علیحدگی نہیں اختیار کی تھی۔ اس کی نظریں بار بار دستی گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ ہر بار وہ سیدھا ہاتھ بلند کرکے اپنی دستی گھڑی کو دیکھتا پھر شانے جھٹک کر ٹہلنے میں مصروف ہوجاتا۔ الٹے ہاتھ کے بجائے اس نے سیدھے ہاتھ پر گھڑی باندھ کر لوگوں کو "اپنی قدامت پسندی" کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی تھی۔ چہرے بشرے اور چال ڈھال سے وہ کسی اونچے طبقے کا فرد نظر آتا تھا پھر جب وہ کاؤنٹر کے قریب پہنچا تو اس نے جلتا ہوا سگار بدستور ہونٹوں اور دانتوں کے درمیان چباتے ہوئے بڑے کھردرے لہجے میں کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی اس خوب صورت اور حسین لڑکی کو مخاطب کیا۔

"تمہارا نام شاید سونا عابد ہے؟" اس خمیدہ ناک والے کا لہجہ بھی غیر ملکیوں ہی جیسا تھا۔

"ہیں۔" لڑکی نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا آپ مجھے جانتے ہیں؟"

"مجھے سرجن سے ملنا ہے۔" اس نے لڑکی کے سوال کو نظر انداز کرکے اپنا مدعا بیان کیا۔

"کیا آپ نے پہلے سے وقت لے رکھا ہے؟"

"میں ایک ایمرجنسی کے تحت آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے لیکن باس بغیر....."

"تم یہ چٹ اپنے باس تک پہنچا دو پھر تمہاری ڈیوٹی ختم ہوجائے گی۔" خمیدہ ناک والے نے کھردرے لہجے میں تیزی سے کہا پھر ایک ٹائپ شدہ پرچی چیسٹر کے اندرونی جیب سے نکال کر لڑکی کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دی جس پر محض معروف 'بھوشن جوزف' کے حروف موجود تھے۔

لڑکی نے پرچی پر نظر ڈالی تو اس کے چہرے کے تاثرات یکلخت بدل گئے۔ وہ جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اس کمرے کے اندر داخل ہوگئی جس پر بڑے بڑے سنہری حروف میں ڈاکٹر سرجن مدی سومو اور اس کی لمبی چوڑی ڈگریاں تحریر تھیں۔ خمیدہ ناک والے نے دوبارہ ٹہلنا شروع کردیا۔ اس کے الٹے ہاتھ میں بدستور واکنگ اسٹک موجود تھی۔ سیدھا ہاتھ اس نے لڑکی کے جانے کے بعد چیسٹر کی جیب میں ڈال لیا تھا۔

لڑکی کی واپسی میں دیر نہیں لگی۔ اس نے کاؤنٹر پر پہنچ کر نووارد غیر ملکی سے کہا۔

"آئی ایم سوری سر۔ مجھے آپ کے بارے میں یہ نہیں معلوم تھا کہ آپ....."

"کیا سرجن میرے واسطے کچھ وقت نکال سکتا ہے یا نہیں؟" اس بار بھی اس نے لڑکی کا جملہ مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا۔

"ایک مریض اندر موجود ہے اس کے بعد ہی آپ کا نمبر ہے۔"

"گڈ۔" نووارد نے خوشی کا اظہار بھی بڑی گمبھیر سنجیدگی سے کیا پھر تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ "کیا سرجن جس وقت مریضوں کو دیکھتا ہے اس وقت اس کے پاس کوئی اور بھی ہوتا ہے۔ میرا مطلب ہے کوئی اٹینڈنٹ وغیرہ۔"

"جی نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "باس پرائیویسی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ جب تک بل نہ دیں کسی مریض کی موجودگی میں عملہ کا کوئی فرد بھی اندر جانے کی جسارت نہیں کرتا۔"

پھر اندر جو مریض تھا اس کے باہر آنے کے بعد خود لڑکی نے اسے سرجن کے کمرے تک چھوڑا تھا۔ خمیدہ ناک والا اندر داخل ہوا تو خودکار دروازہ اس کے پیچھے دوبارہ بند ہوگیا۔ سر کی محض ایک خفیف جنبش سے اس نے سامنے میز پر بیٹھے ہوئے ادھیڑ عمر کے سرجن کو وش کیا پھر خود اعتمادی سے آگے بڑھ کر ایک ایسی کرسی پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ سرجن کے علاوہ بظاہر دروازے پر بھی نظر رکھ سکتا تھا۔

"یہ پہلا اتفاق ہے کہ مسٹر بھوشن نے پہلے سے مجھے مطلع نہیں کیا ورنہ ان کی معرفت جب بھی کوئی مریض آتا ہے اس کا نام وی آئی پی لسٹ پر درج کرلیا جاتا ہے۔" سرجن مدی سومو نے بڑی خندہ پیشانی سے کہا۔ "آپ کو میرے پاس آنے میں کسی زحمت کا سامنا تو نہیں ہوا؟"

"نہیں۔ مجھے آپ کے یہاں کا ایڈمنسٹریشن بہت پسند آیا اور خاص طور وہ کاؤنٹر گرل جس نے یہاں تک آنے پر میری مدد کی۔"

"یہ بھی اس کے فرائض کا ایک حصہ ہے۔" سومو نے بدستور انگریزی میں کہا۔ "آپ کیا پینا پسند کریں گے؟ ٹی یا کولڈ؟"

"تمہارے پاس ایک بہت ہی اہم ضرورت کے پیش نظر آیا ہوں۔" نووارد نے جلا ہوا سگار ہونٹوں سے علیحدہ کرکے بڑی بے دردی سے ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "تمہارا نام مجھے مسٹر بھوشن ہی کے کسی ذریعے سے معلوم ہوا ہے۔"

"کیا آپ کو براہ راست مسٹر بھوشن نے نہیں بھیجا؟" سرجن سومو نے اس بار نووارد کو گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" نووارد نے مسکرا کر کاروباری انداز اختیار کیا۔ "تمہیں تمہاری مطلوبہ فیس مل جائے گی۔ اس فیس



سے بہت زیادہ جو تم عام مریضوں سے لیتے ہو۔"

"کام کی نوعیت کیا ہے؟"

"سرجری۔" نووارد نے کہا۔ "تمہیں میرے ایک کارندے کی سرجری کرنی ہوگی جو دو روز بعد یہاں سے خلیج کے علاقوں کی طرف سفر کرنے والا ہے۔ اس کی سیٹ جہاز میں پہلے سے بک کرادی گئی ہے۔"

"مریض کہاں ہے؟"

"تم حامی بھرو تو وہ مریض بھی آجائے گا۔" اس بار نووارد معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

"آپریشن کا فیصلہ میں مرض کی نوعیت جانے بغیر نہیں کرتا۔" سرجن سومو نے ہونٹ چباتے ہوئے جواب دیا۔ نووارد کی بے تکلفی اور اس کے تکلم کا انداز شاید اب سرجن کو پسند نہیں آرہا تھا۔

"پوڈر۔" نووارد نے ایک لمحے کے بعد کن انکھیوں سے بند دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کے ساتھ ہی اس نے چیسٹر کی جیب سے اپنا فاؤنٹین پن نکال لیا۔

"پوڈر۔" سرجن نے حیرت سے وضاحت چاہی۔

"سرجن۔ کیا تم اس قلم کی قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہو جو میرے ہاتھ میں موجود ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ ابھی کسی پوڈر کے بارے میں گفتگو کررہے تھے۔" سرجن کے چہرے سے اب بے زاری مترشح تھی۔

"پوڈر کی گفتگو سے پہلے تمہیں اس قلم کی قیمت کا اندازہ ہوجائے تو شاید ہم زیادہ دوستانہ ماحول میں کھل کر کوئی ڈیل کرسکتے ہیں۔"

"ڈیل۔ میں سمجھا نہیں؟"

"یہ قلم جو بظاہر بہت معمولی نظر آرہا ہے میں نے اسے دو ہزار ڈالر میں حاصل کیا ہے۔"

"شاید یہ کسی مشہور اور مردہ شخصیت کی ملکیت رہا ہوگا۔" سرجن نے سپاٹ انداز میں کہا۔

"یہ دراصل فاؤنٹین پین نہیں ہے مائی ڈیئر۔" نووارد نے مسکراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "یہ انتہائی طاقت ور گن ہے جس کے اندر دو گولیاں آجاتی ہیں لیکن نشانہ اگر سچا ہو تو اسے استعمال کرنے والے کو دوسری گولی چلانے کی زحمت نہیں کرنی پڑتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔" سرجن نے اپنی ریوالونگ چیئر پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس بات پر بھی حیرت ہورہی ہے کہ آخر پوڈر اور مسٹر بھوشن کا نام استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اگر تم پوڈر کے حوالے سے سرجری کی نوعیت بھی آسانی [illegible]

"تمہیں ہری رام یا کرشن ورما کی موت کی اطلاع مل چکی ہوگی۔" نووارد نے اس بار سپاٹ انداز اختیار کیا۔ "وہی مریض جس کی سرجری جوہان ملک مائیکل اسٹرانگ کرتا تھا اور تم باقی کام یہاں انجام دیتے تھے۔"

"کون ہو تم؟" سرجن چونکا۔ اس کے چہرے پر خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات پھیل کر گہرے ہوتے جارہے تھے۔

"بھوشن کی طرح تم مجھے بھی ایک کاروباری شخص سمجھ سکتے ہو۔" "وہ سرجری کے ذریعے ہیرے جواہرات کا کاروبار کرتا تھا اور میں.... میں بھی سرجری ہی کے ذریعے پوڈر کا کاروبار کرنا چاہتا ہوں اور یہ خدمت ہر قیمت پر تمہیں انجام دینی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ شاید اب تم سمجھ چکے ہوگے کہ پوڈر سے میری مراد ہیروئن ہے جسے تم سرجری کے ذریعے میرے آدمی کے جسم میں اس طرح محفوظ کروگے کہ کوئی اس کا سراغ نہ پاسکے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں میرے بارے میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے۔"

"غلط فہمی نہیں سرجن۔" نووارد نے بڑی حقارت سے کہا۔ "خوش فہمی کہو۔ اس لیے کہ میں جانتا ہوں بھوشن جوزف کی طرح تم بھی گراس بریڈ ہو۔ کیا تم انکار کرسکوگے کہ تمہاری ماں کا تعلق بھی ایک معمولی درجے کے ہندو گھرانے سے تھا جس نے سومو نامی ایک سرمایہ دار کو اپنے حسن کے جال میں پھنسا لیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو شاید تم آج اس مقام تک کبھی نہ پہنچ سکتے۔"

سرجن نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بڑی نفرت سے نووارد کو گھور رہا تھا پھر اچانک نووارد نے قلم کا رخ اس کی طرف کرکے کلپ پر انگلی جماتے ہوئے بڑی سفاکی سے کہا۔

"نہیں سرجن۔ تم اپنا ہاتھ کال بیل سے دور ہی رکھو بہتر ہوگا۔ کہ دونوں ہاتھ اوپر کرکے میز پر رکھ لو اور اگر تم نے اپنے پیروں کے استعمال سے بھی کسی خفیہ کال بیل کو استعمال کرنے کی چالاکی کی تو تمہاری موت یقینی ہوگی۔ تمہاری اطلاع کے لیے بھی عرض کردوں کہ میرے تین ساتھی باہر مریضوں کے درمیان موجود ہیں جو تمہاری موت کے بعد مجھے یہاں سے بچ کر نکل جانے میں میری مدد کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ مقابلے کی صورت میں تمہارے علاوہ تمہارے کچھ کارندے بھی کام آجائیں۔"

"موت اور زندگی سے کھیلنا میرا پیشہ ہے۔" سرجن نے تھوڑے توقف کے بعد خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "میں نے زندگی میں کبھی کوئی جرم نہیں کیا" نہ ہی کسی جرائم پیشہ کا ساتھ دیا ہے "میں کسی ہری رام یا کرشن ورما کے نام سے بھی واقف نہیں ہوں۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کردوں۔ سرجن مائیکل اسٹرانگ بھی بھوشن کے کاروبار میں ہی ملوث ہونے

aazzamm@yahoo.com

کی وجہ سے اس دنیا سے منہ موڑ چکا ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا کہ۔"

"ڈونٹ ٹاک نان سنس۔" نووارد نے جو میرے سوا کوئی اور نہیں تھا سفاک لہجے میں جواب دیا۔ "زندگی دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے۔" سرجن سوموو نے جواب نہیں دیا۔

"کیا تم میرا نام جاننا پسند کرو گے" میں نے ایک نفسیاتی حربہ استعمال کیا۔

سرجن سوموو اس بار بھی خاموش رہا۔

"میں جوزف کا کزن ہوں۔ ولیم پوکر۔" میں نے سرد لہجہ برقرار رکھا۔ "بھوشن نے میرا جائز حق دینے سے انکار کر دیا ہے لیکن اب وہ خود بھی اس بے پناہ دولت کو تنہا استعمال نہیں کر سکے گا۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" سوموو نے مردہ لہجے میں پوچھا۔ اس کے چہرے پر اب پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے

"تم اگر بھوشن کے خلاف گواہی دے کر میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو تمہاری زندگی کی ضمانت دے سکتا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "تم پولیس کے لیے وعدہ معاف گواہ بن جانے کی صورت میں تم خود کو قانون سے رعایت حاصل کرنے کا مستحق بھی ثابت کر سکتے ہو۔"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" ردی سوموو نے جواب دیا۔ "اس کے ہاتھ تمہاری توقع سے بھی زیادہ لمبے ہیں۔ وہ مجھے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"اور انکار کی صورت میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔" میرے لہجے میں بلا کی سفاکی تھی۔ "فیصلہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

"تم مجھے جو موت مارو گے وہ مجھے منظور ہے لیکن بھوشن۔ میں جانتا ہوں کہ وہ غداروں کو کتنی اذیت ناک اور بھیانک سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اتارتا ہے۔" ردی سوموو نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "تم بے شک مجھے گولی مار دو لیکن بھوشن کے خلاف کوئی بیان دینے کو تیار نہیں ہوں۔"

"پھر سوچ لو۔ کیا تمہارا یہ آخری فیصلہ ہے؟"

"ہاں۔ آخری اور اٹل فیصلہ۔"

مجھے یقین تھا کہ اب ردی سوموو میرے کسی کام کا نہیں رہ گیا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ تم زندگی کو داؤ پر لگا رہے ہو حالانکہ تم اگر چاہو تو بچنے کی راہ بھی اختیار کر سکتے ہو۔"

"نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے بڑے مایوس لہجے میں کہا۔ "بھوشن اپنے مخصوص اور نادیدہ لوگوں پر ایسے خفیہ پہرے لگا دیتا ہے جن سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا ہے۔ مائیکل اسٹرانگ ہی کی مثال لے لو وہ یہاں سے ہزاروں میل دور تھا لیکن تمہاری اطلاع کے مطابق اسے بھی گولی مار دی گئی ہے۔ بھوشن کو یقیناً اس بات کا شبہ لاحق ہو گا کہ اگر وہ زندہ رہا اور اس نے پولیس کی تفتیش کے دوران اپنی زبان کھولی تو بھوشن کی حیثیت کمزور پڑ جائے گی چنانچہ اس نے وقت سے پہلے ہی اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ تم نہیں جانتے اس کے آدمی خطرناک شکاری کتوں کی مانند مشکوک افراد کی بو سونگھتے پھرتے ہیں۔"

"لیکن وہ ابھی تک میرے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکے۔"

میں نے زہر خند سے جواب دیا۔

"یہ تمہاری قسمت ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تم زیادہ عرصے تک اس کا مقابلہ کر سکو گے۔ جس دن بھی اسے اس بات کا علم ہو گیا کہ تم ہی جوزف کے کزن ولیم پوکر ہو، وہ تمہاری زندگی کا [illegible] دن ہو گا۔"

"تو [illegible]" میں چونکا۔ "گویا اس نے تمہیں بھی میرے سلسلے میں [illegible] کر دیا تھا۔"

"ہاں۔ اس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں خاص طور پر غیر ملکیوں سے گفتگو کرتے وقت بہت محتاط رہوں۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ ہمارے درمیان ہونے والی اب تک کی تمام گفتگو میرے چیسٹر کے جیب میں رکھے ہوئے طاقت ور ریکارڈر [illegible] ٹیپ پر محفوظ ہو چکی ہے۔ اس کے بارے میں تم پولیس کو اپنی [illegible] میں کیا کہو گے؟"

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے؟" ردی سوموو نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ "تم اپنے کام سے کام رکھو۔"

"ایز یو وش مائی ڈیئر۔" میں نے پستول کی کلب پر اپنا ہاتھ کچھ مضبوط کر لیا۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنے سر پر موت کے سائے منڈلاتے دیکھ کر [illegible] جائے گا لیکن اب بھی وہ سینہ تانے بیٹھا تھا۔ مرنے کی خاطر پوری طرح آمادہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے اس کی خواہش کا احترام کرنے کی ٹھان لی لیکن ٹھیک اسی وقت ردی سوموو کی آنکھیں اچانک غیر متحرک ہو کر اپنے حلقوں میں جم کر رہ گئیں۔ اب اس کے دیکھنے کا انداز بھی بدل چکا تھا پھر یکلخت اس کے [illegible] ہوئے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور میں چونکے بغیر نہ رہ سکا وہ سو فیصد موہنی کی تھی جو ردی سوموو کے منہ سے خارج ہو [illegible]

"میں جانتی ہوں کہ تم وہ نہیں ہو جو نظر آ رہے ہو [illegible] من کہتا ہے کہ تم شہباز خان کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے۔" موہنی کا گندہ علم اور ناپاک قوتیں بھی شاید مجھے نہیں پہچان سکی تھیں۔ میں نے ایک لمحے کو سوچا کہ اسے اپنی حقیقت سے آگاہ کر کے اس کی بے بسی کا احساس دلاؤں۔ کومل ورما [illegible] ہاتھوں اپنے کیفر کردار تک پہنچ گئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ [illegible] حقیقت سے واقف ہو جانے کے بعد موہنی بھی میرا [illegible] بگاڑ سکے گی لیکن پھر میں نے فوری طور پر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی تھی لیکن قانون کے محافظوں یا پھر میرے حریفوں کو میری اصلیت سے آگاہ کر کے میرے راستے میں دشواریاں ضرور پیدا کر سکتی تھی چنانچہ میں نے ردی شگر کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔



"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ایک اچھے اداکار بھی ہو۔ اگر اسٹیج کی دنیا سے متعلق ہوتے تو شاید انہی خوبیوں کے سبب بہت نام پیدا کر سکتے تھے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری بدلی ہوئی زنانی آواز سن کر ایک لمحے کو میں بھی چکرا گیا تھا۔"

"میں ردی سوموو نہیں۔ موہنی بول رہی ہوں۔" موہنی نے مجھے ردی سوموو کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "وہی موہنی جو اس کومل ورما کی بہن ہے جسے تم نے مار ڈالا تھا۔"

"موہنی۔ کومل ورما۔" میں نے بھرپور اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ردی سوموو کو گھورا۔ "کیا تم ایک سرجن ہونے کے علاوہ بلیک میجک کے فن پر بھی عبور رکھتے ہو۔"

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو' موہنی مہان شکتی تمہارے فن کا بھید جان چکی ہے۔"

میں نے اس بار بھی ردی سوموو کو ایسے انداز میں دیکھا جیسے اس کی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ مجھے علم تھا کہ موہنی جھوٹ بول رہی ہے۔ میری اصلیت معلوم کرنے کی خاطر وہ چالبازی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ خود کالکا نے بھی کہا تھا کہ وہ میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ لندن میں جینی مکارنس نے بھی ایک بار مجھ سے یہی کہا تھا کہ وہ میرے اندر محض اس لیے دلچسپی لے رہی ہے کہ میں وہ پہلا شخص تھا جس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچنے میں اسے ناکامی ہوئی تھی۔ اس نے دعویٰ کیا تھا کہ بہت جلد اس دھند کے سحر کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے گی جس کی وجہ سے اس کی دوربین نگاہیں میرے دل کا حال جاننے سے قاصر تھیں لیکن وہ بھی ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکی تھی۔

موہنی نے بھی متعدد بار مجھے اس بات کی دھمکی دی تھی کہ جس دن وہ اس گھپ اندھیرے کے جال کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی وہ میری زندگی کا آخری دن ہو گا' اس کی طاقت تو ابھی تک اس بات کا سراغ بھی نہیں لگا سکی تھی کہ عارفہ زندہ ہے یا آگ میں جل کر خاک ہو چکی ہے' وہ یقیناً مجھے کریدنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ردی سوموو۔" میں نے بدستور غیر ملکیوں کے لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "تم شاید اپنی ان شعبدہ بازیوں کے ذریعے کچھ وقت حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن ایک بات یاد رکھو' اب تمہاری موت تمہارا مقدر بن چکی ہے۔"

"رک جاؤ۔" اچانک ردی سوموو اپنی اصلی آواز میں بولا۔ "میں تمہارے کہنے پر بھوشن جوزف کے خلاف گواہی دینے کو تیار ہوں۔ چاہے اس کا انجام کچھ بھی ہو۔"

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا' خود کو نادیدہ مافوقی قوتوں کے شر سے محفوظ رکھنے کی خاطر جلدی سے آیت الکرسی پڑھ کر اپنے گرد اس کا حصار کھینچا پھر سرد لہجے میں بولا۔

"تم ولیم پوکر کو کوئی فریب نہیں دے سکو گے۔ ماسٹر' میں سمجھ رہا ہوں کہ وقتی طور پر میرے ہاتھوں سے نجات حاصل کرنے کے خواہش مند ہو۔ اس کے بعد تم بھی زہریلے ناگ کی طرح اپنی کینچلی بدل لو گے لیکن میں تم کو اس کا موقع نہیں دوں گا۔"

میں نے پستول کی کلب کو دبا دیا۔ کمرے میں ہلکی سی ٹچ کی آواز ہوئی پھر ردی سوموو بھگوان کی پوجا جیسے انداز میں اس حد تک جھکتا چلا گیا کہ اس کا سر میز سے ٹک گیا۔ میری چلائی گولی ٹھیک اس کی پیشانی کے درمیان لگی تھی جس نے اس کا بھیجہ بھی ضرور پاش پاش کر دیا ہو گا۔

میرے پاس وقت کم رہ گیا تھا۔ موہنی جا چکی تھی۔ وہ میرے راستے میں دشواریاں بھی پیدا کر سکتی تھی چنانچہ میں نے جلدی سے ردی سوموو کے مردہ جسم کو گھسیٹ کر واش روم کے اندر ڈالا۔ خون کے دھبوں کو تیزی سے صاف کیا پھر نہایت آرام سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر موہنی کی گندی روح وہاں موجود بھی ہوئی تو اس نے صرف ردی سوموو کو مرتے دیکھا ہو گا۔ میری نقل و حرکت سے واقف نہیں ہو سکے گی اس لیے میں نے بدستور اپنے اطراف حصار باندھ لیا تھا جس کے اندر کوئی اور طاقت داخل نہیں ہو سکتی تھی۔

باہر آ کر میں نے گاڑی اسٹارٹ کی پھر اسے تیزی سے ڈرائیو کرتا ہوا جائے حادثہ سے بہت دور نکال لے گیا۔ آدھے گھنٹے بعد میں ولیم پوکر کی آواز میں میں نے ایک بوتھ سے فون کر کے سراج کو ردی سوموو کی موت کی اطلاع دی تھی۔

"ون منٹ۔" سراج نے تفصیل کے بعد بے چینی کا مظاہرہ کیا۔ "کیا تم مجھے اس کی موت کی وجہ نہیں بتاؤ گے؟"

"صرف اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ردی سوموو ہی وہ سرجن تھا جو بھوشن کے قیمتی مریضوں کا آپریشن کر کے ہیرے جواہرات کی تھیلیاں برآمد کرنے کی ڈیوٹی انجام دیتا تھا۔"

"تم یہ بات پولیس کو پہلے بھی بتا سکتے تھے۔"

"فائدہ کیا ہوتا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہاری پولیس نے بہرام کے سلسلے میں کیا کیا تھا؟ میں نے تمہیں جس اہم ترین مریض کی اطلاع دی تھی وہ بھوشن کو قانون کے آہنی شکنجوں میں جکڑنے کے لیے بہت موثر ہو سکتا تھا' لیکن تم اس موقع پر بھی بے بس ہو گئے تھے۔ ٹائیگر کی موت نے بھی تمہارے

aazzamm@yahoo.com

راستے سے ایک اہم ثبوت مٹا دیا۔ صرف پانڈے باقی ہے لیکن وہ بوش کے سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔"

"کیا تمہاری نظر میں ابھی ایسے کچھ اور لوگ بھی ہیں جو بوش کو حراست میں لینے میں میری مدد کر سکیں۔"

"موپر سے ملنے والی کال یا پھر کسی بڑی ہستی کی ایک چٹ تمہارے قانون کو پھر سے بے بس کر دے گی۔" میں نے حقارت سے کہا۔ "ابھی میرے پاس ایک حربہ ہے جس کے استعمال کے بعد بوش کو دن میں تارے نظر آجائیں گے لیکن اب میں تمہیں کوئی ٹپ نہیں دوں گا۔ میں خود اس حرامزادے سے اپنا حصہ حاصل کروں گا۔"

"جذباتی بن کر تم خسارے میں رہو گے، میری بات مانو۔"

میں نے سراج کی پوری بات سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی، سلسلہ منقطع کر کے فون بوتھ سے باہر آگیا۔

ندیم کی آواز سن کر میں اپنی خواب گاہ سے باہر نکلا تو دن چڑھ چکا تھا۔ میں نے باہر آکر عجیب سماں دیکھا۔ نسیم جس کی پیشانی پر ابھی تک پٹیاں بندھی تھیں۔ میری ماں کے سینے میں چھپی آہستہ آہستہ سسک رہی تھی، عارفہ اس کے قریب ہی بیٹھی اس کو تسلی دے رہی تھی۔ میں نے ندیم کی سمت دیکھا لیکن اس کا چہرہ کسی قسم کے اندرونی جذبات کے اظہار سے یکسر عاری تھا، اس نے بس ایک نظر مجھ پر ڈالی تھی، پھر نسیم کی جانب متوجہ ہو گیا۔

میں قدم بڑھاتا ماں کے قریب گیا، میں نے نسیم کو ہولے سے آواز دی تو ایک لمحہ کو اس کی سسکیاں تھم گئیں۔ اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا پھر دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسکیاں بھرنے لگی۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ اور سہمی سہمی سی نظر آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہ پہلی جیسی تازگی اور شگفتگی نہیں تھی۔ میں نے قریب جا کر اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "رو کیوں رہی ہے پگلی۔ ابھی تیرا بھائی زندہ ہے۔ یہاں ایک سے بڑا ایک سرجن اور ڈاکٹر موجود ہے، میں تیرے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تو ضرور اچھی ہو جائے گی۔" پھر میں بھی جذباتی ہو گیا۔ "میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ تیری پیشانی کے داغ کو مٹانے کی خاطر میرے جسم کا ایک ایک قطرہ خون بھی کام آیا تو دریغ نہیں کروں گا۔"

"ہاں نسیم، پریشان مت ہو۔" عارفہ نے کہا۔ "پلاسٹک سرجری نے اب بہت ترقی کر لی ہے، وہ بوڑھوں کو بھی حیرت انگیز طور پر جوان بنا دیتی ہے، تمہاری پیشانی کا داغ مٹانا تو ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوگا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" ماں نے دعا دی پھر نسیم کو دوبارہ اپنی شفقت بھری آغوش میں سمیٹ کر بولی۔ "تمہارے آنے کا


نامور مزاح نگاروں
کی دلچسپ تحریروں
کا شگفتہ انتخاب

پیچ در پیچ

★---- مظفر بخاری

قیمت: -/125 روپے

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2


مجھے شہرت سے انکار تھا۔ پوچھو کیوں؟"

"کیوں؟" نسیم نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں عارفہ اور شہباز کی شادی کرنا چاہتی ہوں۔ اب تم بھی آگئی ہو تو اس نیک کام میں دیر نہیں ہوگی۔ میں آج شام ہی ان دونوں کا نکاح پڑھوا رہی ہوں۔"

"امی حضور۔" میں نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس میں تیری بہت سن چکی، اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔" ماں نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

نسیم نے میری شادی کی خبر سنی تو اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ لیے۔ اس کے اداس چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ندیم بدستور اپنی کسی سوچ میں گم تھا۔

"ندیم۔" ماں نے اسے آواز دی تو وہ اس طرح چونکا جیسے سوتے سوتے اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

"جی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تم نے میرا فیصلہ سن لیا ہے نا۔ میں آج شام کو عارفہ اور شہباز کو دلہا دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں اور ایک دوست اور بھائی ہونے کے ناتے اس نکاح کا سارا انتظام تمہیں کرنا ہوگا۔"

"آپ پریشان نہ ہوں آنٹی۔" ندیم نے بڑے پیار سے کہا۔



"جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

"اور اگر میں نے تمہیں نکاح کے وقت قبول کرنے کے بجائے نامنظور کر دیا تو۔" میں نے کن انکھیوں سے عارفہ کی طرف دیکھ کر کہا تو اس نے شرماتے ہوئے، ایک نظر مجھ پر ڈالی پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتی ماں کے کمرے میں چلی گئی۔

"آپ نے مجھے بہن کہا ہے۔" نسیم نے میری سمت دیکھا۔ "کیا میری خاطر بھی آپ آنٹی کی خوشی پوری نہیں کریں گے۔"

"سنجیدہ مت ہو۔" میں مسکرایا۔ "میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔"

پھر اسی شام عارفہ سے میرا نکاح ہو گیا جس میں سوائے قاضی کے باہر کا اور کوئی آدمی شریک نہیں ہوا تھا۔ ماں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ نسیم اور عارفہ کو بھی بے حد مسرت تھی۔ ندیم نے بھی گلے لگا کر مجھے مبارکباد دی تھی لیکن مجھے اس کی ہنسی میں بھی سنجیدگی کا شبہ سا ہو رہا تھا۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے اسے تنہائی میں کریدا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"ابھی بہت وقت پڑا ہے پھر بھی اطمینان سے باتیں ہوں گی۔ آج تمہاری زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا ہے آج اس کے سوا اور کچھ نہ سوچو۔"

"تم شاید مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے پھر مجھے باتوں میں اڑانے کی کوشش کی۔ بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ایک بات کہوں یقین کرو گے۔"

"کیا؟"

"آج دلہن بنی ہوئی عارفہ مجھے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نسیم سے بھی زیادہ۔"

"بکو مت۔ تم مجھے کھل کر بتاؤ آخر بات کیا ہے؟"

"ایک بات کا خیال رکھنا۔ بزرگوں اور دوست و احباب کا بھی یہی کہنا ہے کہ سہاگ رات ہر انسان کی زندگی میں صرف ایک بار آتی ہے اور یہی وہ رات ہے جب دو اجنبیوں کے درمیان سے حجاب کے پردے سرکتے ہیں۔ میں تمہیں قدم جما کر میدان میں اترنے کا مشورہ دوں گا۔"

"بہتر ہے، میں جناب کے اس قیمتی مشورے کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔" میں نے کہا پھر اپنی ضد پر آگیا۔ "اب وہ بات بھی اگل دو جو تمہارے پیٹ میں ہے۔"

ایک لمحے کے لیے وہ خاموش ہو گیا پھر بڑے عجیب فلسفیانہ انداز میں بولا۔

"تم میرے بہت عزیز دوست ہو، لیکن اس کے باوجود تمہیں شاید میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ ہم طویل عرصے کے بعد دوبارہ ملے تھے۔ اس درمیانی عرصہ میں میں نے کیا کیا کھیل کھیلے، کیسے کیسے خطروں کے پرپیچ راستوں سے ہو کر گزرا ہوں یہ صرف میں جانتا ہوں۔ میرے لیے شکست تسلیم کر لینا ایسا ہی تھا جیسے کوئی خوف سے ڈر کر سربازار ننگا ہونے پر مجبور ہو جائے۔ میں نے مجبوری کے اس احساس کو اپنے اعصاب پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ کسی سرکش موج کی طرح کناروں سے ٹکرایا ضرور لیکن پھر بپھرے ہوئے سمندر کی طرف واپس لوٹ گیا۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ موت کا جو وقت مقرر ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔ شاید اسی خیال نے ہمت اور حوصلہ دیا۔ میں نے جس پروفیشن کو اپنایا ہے اس میں ہر ہر قدم پر موت کے سائے منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہمارے درمیان ہمیشہ ایک رسہ کشی جاری رہتی ہے۔ بڑا کاروباری اسی کو سمجھا جاتا ہے جس نے بڑے بڑے بدمعاش، شاطر غنڈے اور دہشت گرد پال رکھے ہوں۔ نسیم سے شادی سے پیشتر میں سب سے بڑا کاروباری آدمی سمجھا جاتا تھا لیکن اب ـــ صرف اپنی ساکھ سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔"

"میں نے جناب سے شرافت یا بدمعاشی پر تقریر کرنے کی فرمائش نہیں کی تھی صرف اتنا پوچھا تھا کہ ـــــ"

"نسیم سے شادی کے بعد میں نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا کہ اب میری زندگی صرف اپنی زندگی نہیں رہی۔ اس میں کوئی اور بھی حصہ دار بن گیا ہے جسے ہر ہر قدم پر میری ضرورت ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر میں نے خود کو خاصا تبدیل کر لیا ہے۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "آج سے عارفہ بھی تمہاری زندگی میں ساجھے دار بن رہی ہے۔ میرا مشورہ ہے اب کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر اس کے بارے میں بھی ضرور غور کرنا۔"

"میں اب بھی حضور کی تقریر کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔"

"میرا اشارہ ویلم پوکر کے فرشتی کردار کی طرف ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارا کیا خیال ہے مسٹر شہباز خاں؟ کیا مجھے حالات کا علم نہیں ہے؟" اس نے مجھے بڑی اپنائیت سے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "ٹائیگر کی خودکشی، پانڈے کا زخمی ہونا اور اب سدی سومرو کا انجام۔ مجھے ان تمام باتوں کی ایک ایک تفصیل معلوم ہے۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" میں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "گویا تم نے میرے پیچھے باقاعدہ اپنے آدمی لگا رکھے ہیں۔"

"ہاں۔ اس لیے کہ تم نرے اخروٹ ہو۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا بہرام کے فلیٹ کو آگ فرشتوں نے لگائی تھی؟ کرشن دہا کو تمہارے سراج صاحب کے ہاتھوں تک پہنچنے سے پہلے کس نے ختم کر دیا تھا۔ سرجن داؤدی اور مائیکل اسٹرانگ کی موت کے بعد تمہیں اس بات کا احساس ہو جانا چاہیے تھا کہ اب بوش کی بساط پر صرف سدی سومرو ہی ایک قیمتی اور اہم مہرہ باقی رہ گیا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے کیا

aazzamm@yahoo.com

بھوشن کے شکاری کتے اس کی نگرانی پر مامور نہیں رہے ہوں گے؟"

"لیکن۔"

"تم نے شاید شام کے اخبارات نہیں دیکھے جس میں رودی سومو کے قتل ہو جانے کی اطلاع کے ساتھ ساتھ ایک اور اہم خبر بھی شائع ہوئی ہے۔"

"وہ کیا؟" میں نے تیزی سے پوچھا۔

"ایک کار کی تباہی جسے نامعلوم دہشت گردوں نے گولیاں مار مار کر چھلنی بنا دیا تھا۔ اس تباہ شدہ کار میں سے چار لاشیں برآمد ہوئی ہیں جنہیں پولیس نے شناخت کر لیا ہے۔" ندیم نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "وہ چاروں قتل و غارت گری اغوا برائے تاوان اور حرام کاری کے متعدد کیس میں پولیس کو ایک عرصے سے مطلوب تھے۔ شاید اسی لیے پولیس نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان چاروں کی موت کسی انتقامی کارروائی کا نتیجہ ہے۔"

"مگر۔۔۔"

"وہ رودی سومو کے قتل کے بعد تمہارا تعاقب کر رہے تھے۔" ندیم نے مجھے بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "اگر ماسٹری نے بروقت فیصلہ نہ کر لیا ہوتا تو یہ بھی ممکن تھا کہ ان چاروں کے بجائے تم پولیس ہسپتال کے سرد خانے میں پڑے ہوتے۔"

"میں بھی تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ موت کا جو وقت طے کر دیا گیا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹال سکتی۔" میں یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔ "بہر حال میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے ان آدمیوں کی نقل و حرکت کا بھی خیال رکھوں گا جو سائے کی طرح میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ندیم نے تیزی سے پوچھا۔ "کیا رودی سومو کے بعد بھی کچھ افراد تمہاری ہٹ لسٹ پر باقی رہ گئے ہیں؟"

"مسائل رات زندگی میں صرف ایک بار آتی ہے۔" میں نے مسکرا کر اٹھتے ہوئے کہا۔ "باقی باتیں پھر کبھی فرصت سے ہوں گی۔"

عارفہ سے شادی کے بعد میں دو روز تک دفتر نہیں گیا۔ میں نے واسطی کو بتا دیا تھا کہ میں کچھ آرام کرنا چاہتا ہوں اس لیے مجھے تنگ نہ کیا جائے۔ ان دو دنوں تک میں نے سوائے عارفہ کے کسی دوسری جانب توجہ نہیں دی۔ [illegible] کے علاوہ [illegible] خوش تھی۔ عارفہ تو ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے ہاتھوں میں قارون کا خزانہ آ گیا ہو۔ دو دنوں میں ایک بار سراج بھی مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اپنی شادی کے بارے میں اسے ابھی اطلاع دینی مناسب نہیں سمجھی۔ وہ ابھی تک میرے گزشتہ برتاؤ کی وجہ سے مجھ سے شاکی تھا۔ عارفہ سے شادی کی خوشی کے باوجود میں نے سراج کے ساتھ اپنا رویہ تبدیل کر لیا۔ سراج کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

مجھے گھر کے باہر کی دنیا کی کوئی خبر نہیں تھی۔ میرے دشمن کیا کر رہے تھے؟ بھوشن نے رودی سومو کے قتل کا کیا اثر لیا تھا؟ کالا کا اور موہنی نے خاموشی کیوں اختیار کر رکھی تھی؟ میں نے ان تمام باتوں کو سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ صرف عارفہ کی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ تیسرے روز جب میں دفتر جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا تو عارفہ کچھ سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی سنجیدگی کا سبب پوچھا تو میرے قریب آ کر بولی۔

"میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

"بات کیا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ آپ میری موت کی جھوٹی خبر کو زیادہ دنوں تک پوشیدہ نہیں رکھ سکیں گے۔ میں جب بھی اس چار دیواری کی حدود سے باہر قدم نکالوں گی۔ ہمارے دشمنوں کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ میں زندہ ہوں۔ اس کے بعد بادیہ اور گندی قوتیں پھر آپ کے راستے میں دشواریاں پیدا کرنے کی کوشش کریں گی۔"

وہ شاید ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ کالا کا نے مجھے دھمکی دی تھی کہ میں نے اس کے علاوہ کسی اور کو چاہا تو میرا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ موہنی کو بھی اس بات کا شبہ تھا کہ عارفہ آگ میں جلنے سے بچ گئی ہے۔ جب اسے اپنی ناکامی کا علم ہو گا تو وہ یقیناً کسی انتقامی جذبے کا اظہار ضروری سمجھے گی۔ مجھے بھوشن کی جانب سے بھی خطرہ لاحق تھا۔ جو واقعات گزر چکے تھے وہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھے۔ اگر میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا کہ پلید طاقتیں بدھے کی پشت پناہی کر رہی ہیں تو پھر یہ ممکن تھا کہ انہوں نے بھوشن کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کر دیا ہو کہ اس کے نقصانات کا سبب میری ذات سے وابستہ ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ کوئی جوابی کارروائی کرتا تو اسے فطرت کے خلاف نہیں کہا جا سکتا تھا۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ یہاں انسان چند روپوں کی خاطر کسی اجنبی کے پیٹ میں چھرا گھونپ دینے سے دریغ نہیں کرتا۔ جبکہ بھوشن کو تو میری وجہ سے کروڑوں کا نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس کے خاص خاص آدمی بھی اسی نقصان میں شامل تھے لیکن میں ان تمام خطروں کے باوجود محض گھر کی چار دیواری کے اندر تمام زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ میرا ایمان تھا کہ موت برحق ہے اور اس کا ایک وقت متعین کر دیا گیا ہے جو اٹل ہے۔ احتیاط کرنے اور برائیوں سے دور رہنے کی بھی ہدایت کی گئی ہے لیکن ناگہانی اور مشیت ایزدی کو کون ٹال سکتا ہے؟ حالات نے مجھے گلے تک گھونٹ کر رکھا تھا۔ موت اگر میرا مقدر بن چکی تھی تو وہ مجھے میرے گھر میں بھی آ سکتی تھی۔

ایک لمحے کو میرے ذہن میں وہ تمام پرانی یادیں زندہ ہو گئیں۔



ساتھ شادی کرنے کے بعد دو دنوں تک میں فراموش [illegible] میں نے دشمنوں کے خلاف جو قدم آگے کی جانب بڑھایا تھا [illegible] پیچھے لانا میرے اپنے اختیار کی بات بھی نہیں تھی۔ میں نے عارفہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر اس کی دراز زلفوں کو چھیڑتے ہوئے بولا۔

"کیا تمہیں خدا کی ذات پر یقین ہے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ گھبرا گئی۔

"پھر اس کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ وہ جو بھی کرتا ہے اس میں انسان کی بھلائی کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور شامل ہوتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن میری پریشانی بھی اپنی جگہ غلط نہیں ہے۔"

"پریشان مت ہو۔ [illegible] خیال رکھوں گا۔" میں نے عارفہ کو [illegible] ہو گیا۔ دفتر پہنچ کر میں پارکنگ لاٹ میں گاڑی پارک کرنے کے بعد نیچے اترا ہی تھا کہ اچانک کالا کا کی مانوس آواز میرے کانوں میں گونجی۔ وہ شاید میرے بہت قریب تھی لیکن اس نے خود کو انسانی پیکر میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ شاید کول وما کی موت نے اسے بہت محتاط کر دیا تھا۔

"شہباز۔۔۔ میرا مشورہ ہے کہ تم واپس گھر چلے جاؤ۔"

"کوئی خاص مصلحت؟"

"ہاں۔ میرا خیال ہے کہ آج کا دن تمہارے اوپر بھاری ہے۔" وہ بدستور سنجیدگی سے بولی۔ "حالات نے مجھے بے بس کر دیا ہے ورنہ میں موہنی کو اپنی شکتی کے زور سے شکری کی طرح [illegible] کر دیتی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہ۔۔۔ وہ تمہارے خلاف بڑا مضبوط جال بن رہی ہے۔"

"کیا تم مجھے اس کی چال سے آگاہ بھی نہیں کر سکتیں؟" میں نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"میں مجبور ہوں شہباز۔ میرا کہا مان لو۔ ابھی وقت ہے۔ تم واپس گھر لوٹ جاؤ۔"

"نہیں کالا رانی۔ میں تمہارے مشورے پر عمل نہیں کر سکتا۔" میں نے بریف کیس اٹھا کر گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔ "موہنی نے اگر میرے لیے اپنی شیطانی قوتوں سے کوئی جال بنا ہے تو رحمانی قوتیں اس جال کی بندشوں کو کچے دھاگے کی طرح توڑ بھی سکتی ہیں۔"

"کیا تمہیں اب اپنی کالا رانی کی باتوں پر وشواس نہیں رہا؟"

"بات وشواس کی نہیں حق و باطل کی ہے اور میں باطل قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر موت کو ترجیح دینا زیادہ پسند کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں جا رہی ہوں۔" کالا کا نے حسرت بھری آواز میں جواب دیا۔ "میں کوشش کروں گی کہ موہنی نے جو جال تمہارے لیے بچھایا ہے اس کا کوئی توڑ کر سکوں پر تم خود شواس سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اپنا دھیان رکھنا۔"

پھر کالا کا چلی گئی اور میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا اپنے دفتر میں آ گیا۔ میری دو دنوں کی غیر حاضری میں اچھا خاصا کام جمع ہو گیا تھا جسے صرف میں نمٹا سکتا تھا۔ میں نے واسطی کو بلا کر اس سے دفتری معاملات کے بارے میں دریافت کیا پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ دوپہر کو کھانا کھا رہا تھا کہ سراج کا فون آ گیا۔

"شہباز صاحب۔" اس نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔ "میرا تبادلہ ہیڈ کوارٹر میں کر دیا گیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس تبادلے کی پشت پر بھوشن جوزف کا ہاتھ ہے لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کروں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کے تبادلے کے سلسلے میں۔"

"شکریہ مسٹر شہباز لیکن میں چاہتا ہوں کہ بھوشن اس خوش فہمی میں مبتلا رہے کہ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔" سراج کے لہجے میں خود اعتمادی تھی۔ "مجرم جب خود کو بہت زیادہ طاقتور سمجھنے لگتا ہے تو پھر اس زعم میں اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور یہی غلطیاں اسے قانون کے شکنجوں میں پھنسا جانے کا سبب بھی بن جاتی ہیں۔ آپ میرا مطلب سمجھ رہے ہوں گے۔"

"جی ہاں لیکن۔"

"فی الحال آپ کی ہمدردی کے دو الفاظ ہی میرے لیے بہت ہیں۔ اگر کبھی ضرورت پڑی تو آپ کو ضرور زحمت دوں گا۔" سراج نے میری بات کاٹ کر بڑی گمبھیر آواز میں جواب دیا پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میں دوبارہ کاموں میں مصروف ہوا تو ندیم کا فون آ گیا۔

"سنا ہے تمہارے سراج صاحب عتاب میں آ گئے ہیں۔"

"یہ سب بھوشن جوزف کی کمینگی ہے۔"

"مجھے علم ہے۔" ندیم نے کہا۔ "مجھے مستند ذرائع سے یہ بھی علم ہوا ہے کہ وہ لاء منسٹر کے ساتھ مل کر تمہیں بھی نقصان پہنچانے کا کوئی پلان کر رہا ہے۔"

"تمہاری ماہ رخ بیگم کس دن کام آئیں گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے بے فکری سے کہا۔ "کیا وہ بھی بھوشن کے آگے خود کو مجبور سمجھ رہی ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ تم ماہ رخ کی طاقت کا غلط اندازہ لگا رہے ہو۔ اب بھی اس کی پلکوں کی ایک جنبش لاء منسٹر کی کرسی کو ہلا سکتی ہے۔ بھوشن تو اس کے لیے کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا لیکن۔۔۔" ندیم کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"بھوشن اور لاء منسٹر کے بارے میں اس سے بات کی تھی

aazzamm@yahoo.com

لیکن جانتے ہو وہ اس کام کے لیے کیا معاوضہ طلب کر رہی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ صرف ایک رات کے لیے اپنے خلوت کدے میں تمہاری میزبانی کے فرائض انجام دینا چاہتی ہے۔ شاید وہ تم سے بھی پچھلی ملاقات میں اس بات کا اظہار کر چکی تھی۔"

"آئی ایم سوری مائی ڈیئر۔" میں نے بے تکلفی سے جواب دیا۔ "پہلے کی بات اور تھی لیکن اب میں عارفہ کی حق تلفی نہیں کر سکتا۔"

"میں بھی تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ماہ رخ جیسی عورتیں بالکل جونک ہی کی طرح ہوتی ہیں جو ایک بار کسی سے چپٹ جائیں تو آخری دم تک اس کا خون چوستی رہتی ہیں۔"

"پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"فکر مت کرو۔ ماہ رخ کے علاوہ بھی میرے پاس متعدد دوسرے موثر ذرائع موجود ہیں۔ کام اگر سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو پھر ہمیں مجبوراً دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ بہرحال میں تمہیں اب اپنے سائے سے بھی محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا۔ باقی باتیں رات کو ہوں گی۔ بشرطیکہ تم عارفہ کے بجائے کچھ وقت میرے ساتھ بھی گزار سکو۔"

"ڈونٹ بی نان سینس۔" میں نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا پھر ریسیور رکھ کر دوبارہ ضروری فائلوں میں مصروف ہو گیا۔ کام اتنا زیادہ تھا کہ مجھے وقت کا کوئی احساس نہ رہا۔ میں فائلوں میں گم تھا کہ واسطی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

"سر مجھے آپ سے ایک ضروری اور بڑی اہم بات کرنی ہے۔"

میں نے نظر اٹھا کر دیوار گیر گھڑی کی سمت دیکھا۔ اس وقت شام کے پونے چھ کا عمل تھا۔

"کیا بات ہے مسٹر واسطی؟ تشریف رکھیے۔" میں نے تھکن دور کرنے کی خاطر انگڑائی لیتے ہوئے واسطی کو مخاطب کیا۔

"سر" واسطی نے کھڑے کھڑے کہا۔ "میں آپ کے لیے ایک بری خبر لایا ہوں۔"

"کیا؟" میں نے تیزی سے دریافت کیا۔

"مسٹر عابد کو پولیس نے کسٹم ہاؤس کے باہر سے گرفتار کر لیا ہے۔"

"گرفتار کر لیا گیا ہے۔" میں چونک اٹھا۔ "کیوں؟"

"ان کے بریف کیس سے ضروری کاغذات کے بجائے کنٹرا بینڈ (contraband) سونا برآمد ہوا ہے۔"

"اس وقت عابد کہاں ہے؟" میں نے تیزی سے فائل بند کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔ میرے ذہن میں کاکا کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ عابد کے خلاف وہ خطرناک جال موہنی کے علاوہ کسی اور نے نہیں بچھایا ہو گا۔

"علاقے کے پولیس اسٹیشن میں۔" واسطی نے کہا۔ "مجھے اس کلرک نے اطلاع دی ہے جو گرفتاری کے وقت عابد کے قریب ہی موجود تھا۔"

میں نے فوری طور پر ندیم کو حالات سے باخبر کیا پھر تیزی سے اس علاقہ پولیس اسٹیشن کی سمت روانہ ہو گیا جہاں واسطی کی اطلاع کے مطابق عابد کو رکھا گیا تھا۔

"کیوں شہباز خاں۔ اب تمہارے دل کی دھڑکنیں کیا کہہ رہی ہیں؟" موہنی کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"یہی کہ تم بزدل ہو' کمینی ہو۔" میں نے جھلا کر کہا۔ "پیٹھ سے چھرا مارنے والے کو میری زبان میں یہی کہا جاتا ہے۔"

"مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے۔" وہ میری بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولی۔ "جانتے ہو عابد نے پولیس کو اپنا کیا تحریری بیان دیا ہے؟ اس نے اعتراف کر لیا ہے کہ تم بہت دنوں سے کاروبار کی آڑ میں سونے کی ناجائز تجارت بھی کرتے رہے ہو۔ میں چاہتی تو تمہیں بھی رنگے ہاتھوں گرفتار کرا سکتی تھی لیکن مجھے چوہے اور بلی کا کھیل زیادہ پسند ہے۔ میں تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم اور تمہاری گندی قوتیں کس کے لیے کام کر رہی ہیں۔"

"یدھ (جنگ) اور پریم میں سب چلتا ہے۔" وہ مجھے چڑانے کی خاطر بولی۔ "بھوشن کو تمہارے حربے کروڑوں کا نقصان پہنچایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی بھوشن کی پریشانیوں کے سامنے دا رہن جاؤ اور ابھی کھیل شروع ہوا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ برق رفتاری سے گاڑی چلاتا ہوا مطلوبہ پولیس اسٹیشن پہنچا جہاں عابد کی کار پہلے سے موجود تھی اور پولیس کا ایک مسلح سپاہی اس کی نگرانی کر رہا تھا۔

میں قدم اٹھاتا ہوا تیزی سے انسپکٹر انچارج کے کمرے میں پہنچا تو ایک بار پھر چونک اٹھا۔ انسپکٹر کی کرسی پر مجھے وردی میں وہی رام دیال نظر آیا جو روپ نگر میں میرا ماتحت رہ چکا تھا۔ اسی نے جس کی گرفتاری پر ٹھکر کی حمایت میں دبی زبان میں احتجاج کیا تھا۔ مجھے میرے دوسرے ماتحت بدر اقبال نے بھی بتایا تھا کہ رام دیال مذہب کے معاملات میں بہت زیادہ متعصب واقع ہوا ہے۔ رام دیال نے نظر اٹھا کر میری جانب دیکھا ہماری نگاہیں چار ہوئیں تو رام دیال کے ہونٹوں پر ایک مکروہ شیطانی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔



رام دیال کی نگاہوں میں میرے لیے نفرت ہی نفرت نظر آئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر اٹھ گیا تھا لیکن اس احترام کے پس منظر میں بھی وہ تمام تر خباثتوں کے ساتھ مجھ پر خنداں زن تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک گہرا طنز تھا۔ ایک گالی تھی۔ انتقام کا ایک جذبہ تھا۔ کبھی وہ میرا ماتحت تھا۔ میرے ایک اشارے پر عمل کرنا اس کے فرائض منصبی میں داخل تھا مگر وہ اس وقت بھی متعصب تھا۔ اس وقت بھی وہ اپنے دھرم کے لوگوں کے لیے آنکھیں بند کر لینے کا عادی تھا۔ ٹھکر کو خوش کرنے کی خاطر اس نے اس وقت میری مخالفت کی تھی جب میں نے جمنا کو ایک الزام میں گرفتار کر کے جیل میں بند کیا تھا لیکن اب۔

اب وقت کے دھارے بدل چکے تھے۔ ہوا کا رخ تبدیل ہو چکا تھا۔ مانا کہ میں شہر کا ایک بڑا باعزت کاروباری شخص تھا۔ بڑوں کے حلقے میں ہمیشہ مجھے احترام کے قابل سمجھا جاتا ہے لیکن رام دیال قانون کا محافظ تھا اور قانون کے تقاضے پورے کرنے والوں کے لیے چھوٹے بڑوں کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔

میں نے رام دیال کے چہرے کی جانب سے نظریں ہٹا کر عابد کی طرف دیکھا جو دو مسلح سپاہیوں کے درمیان گردن جھکائے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس کی گردن کچھ اور جھک گئی۔ اس کی نگاہوں میں لرزتے ہوئے آنسو اور بے بسی کا احساس اس کی بے گناہی کا ثبوت تھے لیکن اس کے باوجود وہ مجرم تھا۔

اس کے بریف کیس سے دفتری کاغذات کے بجائے ناجائز سونا برآمد ہوا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کی پشت پر کس کا ہاتھ تھا۔ موہنی کی پلید روح نے مجھ سے ناٹیکر اور دیوی سومو کے قتل کا انتقام لیا تھا۔ پانڈے کا زخمی ہونا بھی اس کے انتقامی جذبوں کا ایک سبب تھا۔ اسی نے مجھے عابد کے سلسلے میں اپنی طاقت کا ایک چھوٹا سا چمتکار دکھایا تھا۔ اس سے پہلے کاکا کی روح نے مجھے کسی آنے والے خطرے سے باخبر بھی کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آج کا دن مجھ پر بھاری ہے۔ اس نے مجھ سے گھر واپس لوٹ جانے کی درخواست کی تھی۔ یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ وہ موہنی کے اس مضبوط جال کو توڑنے کی کوشش کرے گی جو میرے خلاف بنایا جا رہا تھا۔ میں نے کاکا کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔ عمل کر لیتا شاید تب بھی کوئی فرق نہ پڑتا اس لیے کہ عابد کا تحریری بیان ہی میرے خلاف ایک اہم ثبوت تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ بیان عابد نے اپنی مرضی سے نہیں' موہنی کی گندی قوت کے زیر اثر آنے کے بعد دیا ہو گا۔ وہ میرا بااعتماد قابل اعتماد اور وفادار ملازم تھا۔ میں اس کے خلاف نہیں سوچ سکتا تھا۔


اُردو ادب کی منفرد ادیبہ
محترمہ ناز کفیل گیلانی
کی زندہ تحریریں

| | |
|---|---|
| گھر جلد برسات | 100/- |
| دوسرا جنم | 50/- |
| زہر بنے امرت | 50/- |
| پوجا ہے پریت ہماری | 60/- |
| گرگئی بندیا | 50/- |
| کیوں روئے شہنائی | 75/- |
| من کے تین ہزار | 75/- |
| بت ارمنی | 75/- |
| بن دیپ پتنگا راکھ | 75/- |
| بک گئے فرشتے | 75/- |
| طور جلنے لگا | 75/- |

مکتبہ القریش اردو بازار لاہور 2


کاغذات کے بریف کیس سے سونے کا برآمد ہونا بھی موہنی کے اسی مضبوط جال کی نشاندہی کر رہا تھا جس کے بارے میں کاکا نے مجھے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرے دل نے ایک بار پھر گواہی دی کہ کاکا اور موہنی ایک ہی تھیلی کے

aazzamm@yahoo.com

چٹے بٹے ہیں۔ دیوی دیوتاؤں نے کالاکا کو اسی لیے سزا دی تھی کہ اس نے شنکر کو میرے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ وہ سب کچھ جو میں نے ندیم کی موجودگی میں دیکھا تھا وہ ایک فریب نظر بھی ہو سکتا تھا۔

"کس وچار میں گم ہیں سر؟" رام دیال کے "سر" کہنے میں بھی تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "پدھاریے آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔ میرے بعد رام دیال بھی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی ایک ایک حرکت 'ایک ایک انداز میری موجودہ پوزیشن کا مذاق اڑا رہے تھے۔

"اچھا ہوا جو آپ خود آگئے ورنہ مجھے سپاہیوں کو بھیج کر آپ کو بلوانا پڑتا۔" رام دیال نے پھر میرا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "آپ تو میرے افسر رہ چکے ہیں۔ پولیس کی نوکری سے آپ کا سمبندھ بھی پرانا ہے اور آپ تو جانتے ہیں کہ قانون اندھا ہوتا ہے۔"

"میرے آدمی کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے رام دیال کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اس کا کارن میرے پاس ہے۔ پرنتو میں بھی یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ کو اتنی جلدی اپنے آدمی کی گرفتاری کی اطلاع کس طرح مل گئی؟" اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے رام دیال۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کسی قدر سخت انداز میں جواب دیا۔ "تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔"

"شما چاہتا ہوں جناب۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "آپ کا ذاتی مسئلہ اب قانونی مسئلہ بن گیا ہے اور ایک تفتیشی افسر ہونے کے ناتے مجھے آپ سے ہر قسم کا سوال کرنے کا پورا پورا ادھیکار ہے۔"

"کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ کے اس آدمی نے تحریری بیان دیا ہے کہ آپ کاروبار کی آڑ میں ناجائز سونے کی کالی تجارت بھی کرتے ہیں۔" رام دیال نے عابد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے افسرانہ شان سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "میری فائل پر اس کا وہ بیان موجود ہے جو اس نے اپنی مرضی سے دیا ہے۔"

"کیا وہ بیان کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں لیا گیا ہے؟"

"دھیرج سے کام لیں شری مان شہباز جی۔" اس نے زہر خند سے کہا۔ "آپ قانون کی نظروں میں مشکوک ہو چکے ہیں۔ اس لیے آپ کو زیادہ اونچی آواز میں بات نہیں کرنی چاہیے۔ ویسے اگر آپ کی اچھا (خواہش) ہے کہ میں آپ کے آدمی کو مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش کروں تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ مجھے وشواس ہے کہ آپ کا یہ آدمی اپنا بیان نہیں بدلے گا۔"

"تم نے جو بیان لیا ہے وہ جبر و تشدد سے بھی لیا جا سکتا ہے۔" میں نے ہونٹ چباتے ہوئے اسے گھورا۔ "عدالت میں جانے کے بعد ایسے کاغذی بیانات کی حیثیت بدل بھی جایا کرتی ہے۔"

"اور آپ اس ناجائز سونے کے بارے میں کیا فرمائیں گے جو آپ کے آدمی کے بریف کیس سے برآمد ہوا ہے؟"

"وہ بھی میرے آدمی کو پھانسنے کی خاطر ایک شاطرانہ چال کہی جا سکتی ہے۔"

"اوہ۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے گھورا۔ "آپ کا خیال ہے کیا دس لاکھ کا سونا پولیس اپنی طرف سے بھی کسی کے سر تھوپ سکتی ہے؟"

"اس شہر میں میرے بہت سارے کاروباری مخالفین بھی ہیں۔ وہ میری ساکھ خراب کرنے کی خاطر دس لاکھ تو کیا پچاس لاکھ بھی خرچ کر سکتے ہیں۔"

"پچاس لاکھ۔ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔" رام دیال نے کرسی پر دونوں کہنیاں ٹکا کر آگے جھکتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "آپ چاہیں تو میں یہ سارا معاملہ پچیس لاکھ میں بھی ختم کر سکتا ہوں۔"

"تم۔ مجھ سے رشوت طلب کر رہے ہو؟" میں اپنے غصے کو برداشت نہ کر سکا۔

"چھی چھی 'یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ ابھری۔ "میں تو آپ کی سیوا کرنا چاہتا ہوں۔"

"رام دیال۔ ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔" میں نے سخت آواز میں کہا۔ "تم گندی قوتوں کے اشارے پر میرے ساتھ جو کھیل کھیل رہے ہو اس کی بساط پلٹ بھی سکتی ہے۔"

"آپ کی اطلاع کے لیے ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے بڑے ہی تلخ انداز میں جواب دیا۔ "آپ کے حریف شری سراج صاحب اب اس علاقے کے ڈی ایس پی نہیں رہے۔ وہ ہوتے تو شاید آپ کی سیوا ضرور کر دیتے۔"

"تم۔"

"ایک بات اور دھیان سے سن لیں مسٹر شہباز۔" وہ میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا۔ "یہ قانونی چکر ہیں جس میں پھنس جانے کے بعد بڑے بڑے بلوانوں کی ہوا بھی نکل جاتی ہے۔"

قبل اس کے کہ میں رام دیال کی بات کا کوئی جواب دیتا ندیم دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔



"آپ کی تعریف؟" رام دیال نے ندیم کو سر سے پاؤں تک گھورتے ہوئے پوچھا۔

"خادم کو ندیم کہتے ہیں اور میں شہباز خان کا بڑا پرانا دوست ہوں۔"

"آئی سی۔" رام دیال نے بڑی خباثت سے کہا۔ "گویا آپ اپنے متر کی سہائتا کرنے آئے ہیں۔"

"اپنا تفصیلی تعارف تم سے پھر کسی وقت فرصت سے کراؤں گا۔" ندیم نے حقارت سے کہا پھر جیب سے ایک کاغذ نکال کر رام دیال کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "فی الحال یہ مسٹر عابد کی ضمانت کا پروانہ ہے۔"

رام دیال نے ایک نظر عدالت کی جانب سے جاری ہونے والے ضمانت کے کاغذات پر ڈالی پھر ندیم کو مخاطب کر کے بڑی فرعونیت سے بولا۔

"میں مسٹر عابد کو ایک جرم سے آزاد کر کے دوسرے جرم میں بھی گرفتار کرنے کی شکتی رکھتا ہوں پرنتو میں ایسا کروں گا نہیں۔"

"تم نے اگر کوئی ایسی حماقت کی تو تمہارے کاندھوں پر چمکتے ہوئے ان ستاروں کی تعداد کم بھی ہو سکتی ہے اور ممکن ہے تمہیں فوری طور پر معطل بھی کر دیا جائے۔" ندیم نے درشت لہجہ اختیار کیا۔

رام دیال کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ اچانک کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گیا ہے۔ شاید وہ کسی جلد بازی کا مظاہرہ کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ندیم پر مرکوز تھیں جیسے وہ نگاہوں نگاہوں میں تول رہا تھا پھر وہ کچھ توقف کے بعد بولا۔ "مسٹر ندیم 'دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر مول لینا اچھا نہیں ہوتا۔"

"یہی مشورہ میں تمہیں دینا چاہتا ہوں۔" ندیم نے بے پروائی سے جواب دیا تو رام دیال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"رام دیال سے دشمنی مول لے کر تم اچھا نہیں کر رہے ہو مسٹر ندیم۔"

"اس کا فیصلہ تو آنے والا سمے ہی کر سکتا ہے۔" ندیم مسکرا دیا۔

"تم شاید۔" رام دیال کچھ کہتے کہتے رک گیا لیکن اس کی شعلہ بار نگاہیں بدستور ندیم کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ غالباً وہ کوئی سخت بات کہنے کا ارادہ کر رہا تھا لیکن کسی مصلحت کی خاطر اس نے خاموشی کو ترجیح دی تھی۔

"مسٹر عابد کے سلسلے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" ندیم نے سپاٹ لہجے میں سوال کیا۔ "کیا تم اسے ضمانت پر رہا کرنے کو تیار ہو یا۔"

"عدالت کے حکم نامے کے بعد تمہارے آدمی کو روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔" رام دیال نے بڑے سرد لہجے میں جواب دیا۔ "تم مسٹر عابد کو لے جا سکتے ہو پرنتو ایک بات یاد رکھنا۔ رام دیال سے تمہاری دوسری ملاقات بھری عدالت میں ہوگی جہاں ٹھوس ثبوت تمہارے نہیں بلکہ میرے ہاتھ میں ہوں گے۔"

جواب میں ندیم نے محض مسکرانے پر اکتفا کیا پھر ہم عابد کو لے کر تھانے سے باہر آگئے۔ میں نے اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے علم تھا کہ اس کی ذہنی حالت کیا ہو گی۔ اس کے چہرے پر ابھی تک الجھن اور ذہنی کشمکش کے ملے جلے تاثرات منڈلا رہے تھے۔

"باس۔" اس نے خود ہی مجھے مخاطب کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ سب کچھ۔"

"تمہیں فی الحال ذہنی سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "تم ابھی گھر جاؤ اور جو کچھ ہوا ہے اسے بھول جاؤ۔"

"لیکن باس۔"

"جذباتی نہ ہو عابد۔" میں نے اس کی بات کاٹی۔ "تم میرے خاصے پرانے ساتھی ہو۔ مجھے تمہاری ذات اور کارکردگی پر مکمل اعتماد ہے۔"

"شکریہ باس۔" اس نے ایک لمبی سانس لے کر گردن جھکائی پھر خاموشی سے اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہاری کالاکا رانی یا موہنی پھر اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئی ہیں۔" ندیم نے عابد کے جانے کے بعد کہا۔

"میرا ذاتی خیال بھی یہی ہے لیکن اس کے بریف کیس سے ناجائز سونا برآمد ہوا ہے۔ وہ اپنا تحریری بیان بھی دے چکا ہے تو ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"وہ بیان عابد نے موہنی کی گندی قوت کے زیر اثر آکر دیا ہو گا۔"

"بہرحال 'قانون دستاویزی ثبوت اور عابد کے بیان پر ہی انحصار کرے گا۔"

"پھر اب کیا ہو گا؟" میں نے ندیم کو رام دیال کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "روپ نگر میں بھی یہ میرے مخالفین میں سے تھا۔ وہ میرے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں برتے گا۔"

"کیا کالاکا اس بار تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی؟" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔ "اس سے پیشتر تو وہی ایسے موقعوں پر کام آتی رہی ہے۔"

میں نے کوئی جواب دینے کے بجائے کالاکا کو یاد کیا۔

"شہباز۔" کالاکا کی آواز میرے کانوں میں گونجی۔ "دیوی اور دیوتاؤں نے موہنی کے ہاتھ بہت مضبوط کر دیے ہیں۔ میں

aazzamm@yahoo.com

نے اسی لیے تمہیں بتایا بھی تھا کہ وہ تمہارے خلاف ایک مضبوط جال بن رہی ہے۔ رام دیال کی ترقی اور تمہارے حر سراج کے تبادلے میں بھی اسی کا ہاتھ ہے۔ اسی نے تمہارے سیوک کے دماغ پر بھی اپنا قبضہ جمالیا ہے۔"

"اور وہ سوتا؟"

"وہ بھی موہنی کی شرارت ہے۔"

"تب... تم میرے لیے کیا کرسکتی ہو؟" میں نے تیزی سے کہا۔ "اس سے پہلے تو ایسے موقعوں پر..."

"تب بات اور تھی لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔" کالکا نے سپاٹ لہجے میں کہا پھر جلدی سے بولی۔ "اب صرف ایک ہی طریقہ تمہارے تری کو بچاسکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر تم اس شکتی کے بارے میں بتادو جس نے ہمارے درمیان سیاہ بادل جمارکھے ہیں تو دیوی دیوتا مجھے شما کردیں گے اور مجھے... پھر تمہاری کالکا رانی موہنی سے زیادہ بلوان ہوجائے گی۔ ابھی سمے باقی ہے شہباز، مجھے بتادو کہ کون تمہاری سہائتا کررہا ہے؟"

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس روحانی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" میں نے کمبل پوش بزرگ کے کہنے پر سختی سے عمل کرتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں اب شاید اپنی کالکا پر وشواس نہیں رہا؟"

"یہ تمہارا خیال ہے۔" میں نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تم کہتے ہو تو مانے لیتی ہوں لیکن من اس بات کی گواہی نہیں دیتا۔" کالکا نے کہا۔ "کومل ورما کی موت مجھے الجھا رہی ہے۔"

"تم عابد کے سلسلے میں کیا کرسکتی ہو؟" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں... میں مجبور ہوں شہباز پھر بھی میں کوشش کروں گی کہ تمہارے کسی کام آسکوں۔"

پھر کالکا کی آواز نہیں سنائی دی۔ ندیم میری خاموشی کو محسوس کررہا تھا۔

"کیا بات ہے تم اچانک خاموش کیوں ہوگئے تھے؟"

"کالکا سے باتیں کررہا تھا۔"

"پھر کیا جواب دیا اس نے؟"

"وہ اپنی مجبوری کا اظہار کررہی ہے۔ کومل ورما کی موت نے اس کی شکتی کم کردی ہے۔"

"محض بکواس۔" ندیم نے جھلا کر کہا۔ "میں ان باتوں کو ماننے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوں۔ وہ ایک حسین فریب ہے ایک خوب صورت جھوٹ ہے جو قدم قدم پر تمہیں بہکانے کی کوشش کررہی ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تمہیں ڈبل کراس کررہی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "بہرحال ہمیں عابد کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوگا۔"

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"وہ کیا؟"

"اگر عابد کسی بدروح کے تابع ہے تو پھر اس نے تمہارے ساتھ ہوش مندوں جیسی بات کیوں کی تھی؟"

"ممکن ہے اس ایک لمحے کے لیے اس کے ذہن کو آزاد کردیا گیا ہو؟" میں نے خیال ظاہر کیا۔

پھر ہم وہاں زیادہ دیر نہیں رکے۔ ندیم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا اور میں سیدھا گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ میرا ذہن بدستور عابد والے کیس میں الجھا ہوا تھا۔ اس سے پیشتر جب بھی شنکر یا پنڈت دھرم داس نے مجھے پھانسنے کے لیے کوئی جال بچھایا تھا کالکا نے بڑی خوب صورتی سے اس کا توڑ کیا تھا۔ موہنی کی گندی قوت کے مقابلے میں بھی وہ میری مدد کرچکی تھی لیکن شنکر کی موت کے بعد سے وہ ایک محدود دائرے میں سمٹ کر رہ گئی تھی یا پھر وہ مجھ سے میری روحانی قوتوں کا راز اگلوانے کی خاطر محض ایک ڈھونگ رچا رہی تھی۔ عابد کے سلسلے میں بھی اس نے یہی کہا تھا کہ اگر میں اپنے اور اس کے درمیان سے وہ سیاہ چادر ہٹادوں جس نے اس قوت کی رسائی میرے ذہن اور دل کی گہرائیوں تک ناممکن بنادی تھی تو وہ عابد کو بچا سکتی تھی لیکن میں نے اس کی پیشکش قبول کرنے سے انکار کردیا تھا اور اس کے بعد وہ مجھے ایک جھوٹا دلاسا اور تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

شاید ندیم کا خیال درست تھا کہ وہ مجھے ڈبل کراس کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ میرے ذہن میں ایک بار پھر وہی منظر گھوم گیا جب روپ نگر میں شنکر کی ایما پر میں نے اس مورتی کو پہاڑوں کے درمیان ایک دلدلی جگہ سے برآمد کیا تھا۔ شنکر نے کالکا کی مورتی کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کچھ دنوں تک اسے امانت کے طور پر اپنے پاس رکھنے کی گزارش کی تھی پھر کالکا نے انسانی روپ میں آکر درخواست کی تھی کہ میں اسے کبھی شنکر کے حوالے نہ کروں۔ اس نے مجھے اپنی لازوال قوت کے بارے میں بھی بتایا تھا جس کا مظاہرہ وہ متعدد بار کرچکی تھی۔ زندگی کے کئی موڑ پر اس نے حیرت انگیز طور پر میری مشکلات کو پلک جھپکنے میں آسان کردیا تھا۔ پھر اچانک پنڈت بسی دھر درمیان میں آگیا۔ شنکر نے اسے اپنا گرو بتایا تھا۔ اسی کے کہنے پر میں نے کالکا کی مورتی شنکر کے حوالے کردی تھی پھر شنکر کی موت تک کالکا کی قوت میرا ساتھ دیتی رہی اس کے بعد جب سے کمبل پوش بزرگ نے اپنی صندلی انگوٹھی مجھے تحفتاً دی تھی



کالکا کے انداز بدل گئے تھے۔ وہ اس کے بعد بھی مجھ سے دل لبھانے والی لگاوٹ کی باتیں کرتی تھی لیکن ساتھ ساتھ مجھ سے وہ راز بھی حاصل کرنا چاہتی تھی جس کے بارے میں بزرگ نے مجھے سختی سے تاکید کررکھی تھی کہ اس انگوٹھی کا علم میرے علاوہ کسی دوسری شخصیت کو نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی ایک قابل حیرت بات تھی کہ وہ صندلی انگوٹھی جو میں ہمیشہ اپنی انگلی میں پہنے رہتا تھا لیکن میرے علاوہ کسی اور کی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اسی انگوٹھی کی کرامت نے پہلے داور کو پھر کومل ورما کو جلا کر راکھ کردیا تھا۔

میں خاصی دیر تک ماضی کی یادوں میں گم رہا پھر عابد کا خیال دوبارہ مجھے پریشان کرنے لگا۔ رام دیال میرا پرانا دشمن تھا۔ وقت اور حالات نے اسے اس قابل بنادیا تھا کہ وہ مجھ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرسکے۔ عابد کا بریف کیس اور اس کا اقبالی بیان رام دیال کے قبضے میں تھا۔ ناجائز سونے کی اسمگلنگ کوئی معمولی جرم نہیں تھا۔ اگر عابد کو سزا ہوتی تو میں بھی نہیں بچ سکتا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ عابد کے مقابلے میں میری سزا کی مدت زیادہ طویل ہوتی۔ معاشرے میں میرا بھرم خاک میں مل سکتا تھا۔ میری کاروباری ساکھ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد ہوسکتی تھی۔ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا۔ والد صاحب کے بعد میں اپنی ماں کا آخری سہارا تھا۔ یہ سہارا بھی چھن جانے کے بعد ان کی حالت بھی غیر ہوسکتی تھی۔ عارفہ کو حالات کے بارے میں کچھ علم ضرور تھا لیکن وہ آخر کب تک میرا انتظار کرسکتی تھی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ میرے بعد عارفہ بھی شیطانی قوتوں کا شکار ہوجاتی۔ کچھ بھی ہوسکتا تھا۔

میں ابھی ذہنی خلفشار میں مبتلا تھا کہ ایک فلک شگاف نسوانی قہقہہ میرے دماغ میں گونجنے لگا پھر موہنی کی مکروہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"کن سوچوں میں گم ہو شہباز خان؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"تم نے دیکھا شہباز خان۔ تمہاری کالکا رانی اس بار تمہارے کسی کام نہیں آسکی۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ اب اس کا دھیان من سے نکال پھینکو۔ اب وہ تمہاری کوئی سہائتا نہیں کرسکے گی۔"

"کس لیے آئی ہو؟" میں نے تلملا کر پوچھا۔

"یونہی۔" اس کا لہجہ تضحیک آمیز تھا۔ "تم تو موہو ہو شہباز خان، کبھی بڑے اونچے سروں میں باتیں کیا کرتے تھے۔ بڑا گھمنڈ تھا تمہیں اپنے آپ پر اور اب اتنی جلدی ہمت ہار گئے۔ کیا کوئی چتا آن پڑی ہے؟"

"موہنی۔"

"کیا ہو مہاراج۔" وہ تیزی سے میرا جملہ کاٹتے ہوئے بولی۔ "کیا یہ داسی تمہارے کسی کام آسکتی ہے؟"

"تم نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں تو..."

"بات بڑی پرانی ہوچکی ہے اور اس کا سمے بھی بیت چکا ہے۔" وہ میری کمزوری کا مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ تمہارا دماغ بھی سمے کے ساتھ ساتھ کمزور ہوگیا۔ تمہیں شاید یاد نہیں رہا۔ میں نے تم کو وچن دیا تھا کہ میں تمہارے لیے جیون کے تمام راستے بند کردوں گی۔ تمہارا انت (خاتمہ) کومل ورما اور میری سورگ باشی ماں سے بھی زیادہ بھیانک ہوگا اور تم... تم تو ابھی سے ہمت ہار گئے۔"

"تم... تم شاید میرا مذاق اڑا رہی ہو؟" میں جھلا گیا۔

"ابھی تو کیول میں تمہارا مذاق اڑا رہی ہوں شری شہباز خان۔" وہ بڑے طنز سے بولی۔ "ذرا اپنے سیوک عابد کو عدالت کے کٹہرے تک پہنچنے دو۔ اس کے بعد تم دیکھو گے کہ دنیا تمہارا مذاق اڑائے گی۔ میں تمہیں سسکا سسکا کر اور تڑپا تڑپا کر ماروں گی۔ ابھی تو مجھے تمہارے بہت سارے حساب کتاب چکتے کرنے ہیں۔"

"نہیں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔ "تمہارے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے۔"

"موہنی سے جان چھڑانے کا کوئی راستہ اختیار کرو گے؟"

"ہاں۔ میں اپنے آپ کو گولی مارلوں گا۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔ "تمہاری ماتا کا کیا بنے گا؟ تمہاری یاد میں وہ رو رو کر اندھی ہوجائے گی۔ ہوسکتا ہے وہ اپنا ذہنی توازن بھی کھو بیٹھے۔ ذرا دھیان دو شہباز خان۔ کیا تم اپنی ماں کی اس بپتا کو اپنی بھٹکتی ہوئی آتما کی نظروں سے دیکھ سکو گے؟"

"اس کا تصور صرف تمہارے دھرم میں ہے۔" میں تلملا کر بولا۔ "ہمارے مذہب میں مرنے کے بعد انسان دنیا کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے پھر اس کا کوئی تعلق کسی بات سے نہیں رہ جاتا۔"

"اچھا کیا بھولے ناتھ جو تم نے مجھے یہ بھی بتادیا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اب میری شکتی تمہیں اس طرح جکڑے گی کہ تم اپنے آپ کو گولی بھی نہیں مار سکو گے۔" موہنی کا لہجہ سفاک ہوگیا۔ "تمہیں زندہ رہنا ہوگا۔ اپنی تباہی و بربادی کا تماشا دیکھنے کی خاطر۔ ابھی تو بات شروع ہوئی ہے۔ کل کیا ہوگا یہ تم نہیں جانتے پر تو موہنی کی آتما اور شکتی آنے والے کل میں جھانک سکتی ہے۔ میں دیکھ رہی ہوں شہباز خان کہ تمہارے شریر پر ایک لنگوٹی بھی نہیں ہے۔ تمہارے بدن پر سارے جہان کی کیچڑ اور دھول جمی ہوئی ہے۔ تم اپنے پیروں پر

aazzamm@yahoo.com

کمزرے ہونے کے قابل بھی نہیں ہو۔ دھرتی پر کسی حقیر کیڑے کی طرح رینگ کر ایک ایک دانے کی بھیک مانگ رہے ہو لیکن لوگ اپنی ناک پر رومال رکھ کر تمہارے پاس سے کترا کر گزر رہے ہیں۔ تمہارے شریر کے گند کی بدبو دور دور تک پھیل رہی ہے۔ تمہارے زخموں کے بیچ سفید سفید کیڑے بلبلا رہے ہیں اور۔۔۔"

"بکواس بند کرو۔" میں چیخ اٹھا۔ "تمہارے یہ خواب کبھی پورے نہیں ہوں گے۔"

"ذرا مجھے یہ بتاؤ میرے بھولے ناتھ۔ تم موہنی کی مہان شکتی سے مکتی پانے کی خاطر کیا راستہ اختیار کرو گے؟"

"میں تمہیں بتا سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر؟"

"وہ کیا؟"

"تم میرے سامنے اپنے اسی روپ میں آؤ جس میں ماسٹر ٹونی نے تمہیں اغوا کیا تھا۔"

"سپنے دیکھنا چھوڑ دو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "تمہارا کیا خیال ہے کیا داور اور کومل ورما کی موت کے بعد بھی میں تمہارے قریب آنے کا پاگل پن کروں گی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ایک مہان شکتی ہونے کے باوجود مجھ سے خوف زدہ ہو؟" میں مسکرایا۔

"بات خوف زدہ ہونے کی نہیں ہے لیکن انسان کھلی آنکھوں سے کبھی بھی نہیں نگل سکتا اور پھر دیوی نے بھی یہی کہا ہے کہ منش کو بہت سوچ بچار کے بعد پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہیے۔"

"اس قوت سے ڈرتی ہو جس نے داور اور کومل ورما کو جلا کر راکھ کر دیا تھا؟" میں نے اسے ٹٹولنے کی خاطر کہا۔

موہنی کی سمت سے کوئی جواب نہیں ملا۔

"کیوں؟ اب تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟ اگر مہان شکتی ہو تو سامنے آکر بات کرو۔"

موہنی نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا پھر اچانک میرے کانوں میں اجتماع کے قبیل کے اس بزرگ کی آواز گونجی جسے کمبل پوش بزرگ نے میری حفاظت پر تعینات کیا تھا۔ شاید اسی بزرگ کی آمد کا نتیجہ تھا جو موہنی کی آتما اس کے سامنے قدم نہیں جما سکی تھی۔

"میرے عزیز۔ شیطانی قوتیں اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔"

"پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"پریشان مت ہو؟ خدا پر بھروسا رکھو۔ میاں صاحب کی ذات بابرکت بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

"لیکن اس بار حالات کا رخ میرے خلاف ہے۔"

"مذہب سے لاعلمی اور گمراہی انسان کو دیدۂ خاک چھانے پر مجبور کر دیتی ہے۔" بزرگ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیوں بھول رہے ہو۔ فرعون جیسے ملعون کے دربار میں ساحروں نے ہزاروں کی تعداد میں سانپ اور اژدہے ان پر چھوڑ دیے تھے پھر حضرت موسیٰ نے خدا کا نام لے کر اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جس نے ایک خوفناک سانپ کی شکل اختیار کر کے ساحروں کے چھوڑے ہوئے تمام سانپوں اور اژدہوں کو ہڑپ کر لیا تھا۔"

"میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھا۔"

"گھبراؤ مت۔ وقت کا انتظار کرو۔ خدا جب اپنے کسی بندے پر مہربان ہوتا ہے تو خود اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ طاغوتی قوتوں سے مطلق ہراساں مت ہو اور اس بات پر ایمان اور اعتقاد رکھو کہ حق کے مقابلے میں باطل کی فتح کبھی نہیں ہوئی۔ فی الحال میں یہی کہنے کے لیے آیا تھا۔ میری باتوں کو فراموش نہ کرنا۔"

اس کے بعد دوسری جانب سے مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ نہ جانے کیا راز تھا کہ اب میرے دل کو قرار آگیا تھا۔

٭

رات میں خاصی دیر سے سویا تھا۔ شیطانی قوتوں نے رام دیال کے ساتھ مل کر میرے خلاف جو جال بنا تھا وہ خاصا مضبوط تھا۔ کالکا کی حمایت کے بغیر کوئی چھٹکارا ممکن نہیں تھا لیکن وہ مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس دلا رہی تھی۔ خدا جانے سچ بول رہی تھی یا جھوٹ۔ بہرحال میرے لیے ایک نئی پریشانی نے سر اٹھایا تھا۔

میں بڑی دیر تک ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا پھر مجھے ٹائیگر یاد آگیا جس نے پانڈے کے دفتر میں میرے اوپر ریوالور تان لیا تھا۔ اس کے تیور بے حد خطرناک تھے۔ ایسے وقت میں کسی غیبی قوت نے میری مدد کی تھی۔ میں کمبل پوش بزرگ کی بخشی ہوئی اس نادیدہ قوت کا کرشمہ رام دیال کے سامنے پیش کر سکتا تھا لیکن شاید قدرت کو میرا امتحان منظور تھا جو اس وقت میرے ذہن میں کوئی ایسا خیال نہیں آیا بہرحال مجھے اس بات کا کامل یقین تھا کہ ماسٹر ٹونی کے علاوہ جس طرح میرے دوسرے کارندوں کو طاغوتی قوتوں نے اپنے سحر میں پھانس لیا تھا اسی طرح انہوں نے عابد کے سلسلے میں بھی اپنی کمینگی کا ثبوت دیا تھا۔

مجھے ابھی تک دانش کے بارے میں بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟ ایک دو بار میں نے ندیم سے پوچھا بھی لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ شاید کسی مصلحت کے پیش نظر ٹال گیا تھا۔ ان ہی پریشان خیالات میں غوطہ لگاتے لگاتے کسی وقت میں نیند کی آغوش میں چلا گیا تھا لیکن غالباً" میں بہت دیر تک نہیں سو سکا تھا جب مجھے ایسا لگا



جیسے کوئی بازو تھام کر آہستہ آہستہ ہلا رہا تھا۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو خلاف توقع لیڈی مکارنس کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اٹھانوے سال کی وہ خمیدہ ناک والی بدشکل اور بے ہنگم بڑھیا میرے سامنے کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آج بھی وہی چمک موجود تھی جو میں نے پہلی ملاقات میں دیکھی تھی۔ حسب معمول وہ اپنے اسی پرانے لباس میں تھی۔ اس کی چمک دار نگاہوں میں اس وقت بھی ساحرانہ انداز موجود تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ مجھے گھورے جا رہی تھی۔ اس کی پیشانی بھی شکن آلود تھی۔ شاید وہ مجھ سے خفا تھی یا پھر اس کے شیطانی ذہن میں کوئی ساحرانہ چال گردش کر رہی تھی۔ میں نے اسے کئی بار مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یا تو میں گنگ ہو کر رہ گیا ہوں یا پھر کسی نادیدہ قوت نے میری قوت گویائی سلب کر رکھی تھی۔ خاصی دیر تک وہ میری نگاہوں میں نگاہیں ڈالے کھڑی رہی پھر اس کی سپاٹ آواز میرے کانوں میں گونجی۔

"مجھے پہچانو تو میرے عزیز۔ میں وہی لیڈی مکارنس ہوں جس کے اوپر آج بھی لندن کی پولیس مکارنس کے قتل کا شبہ کر رہی ہے مگر ابھی تک کسی نے مجھ سے بازپرس کرنے کی جرات نہیں کی۔ جانتے ہو کیوں؟ اس لیے کہ وہ سب جانتے ہیں کہ لیڈی مکارنس بلیک میجک پر بھی پوری طرح حاوی ہے۔ اس کی زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ پتھر کی لکیر ثابت ہوتی ہے۔ میری کوئی پیش گوئی آج تک کبھی غلط ثابت نہیں ہوئی۔ میں جدھر سے گزر جاتی ہوں خوف و ہراس پھیل جاتا ہے۔ یہ میری برسوں کی ریاضتوں کا نتیجہ ہے۔"

وہ ایک لمحے سانس لینے کو رکی پھر اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"تم وہ پہلے شخص ہو جس کو میں نے اپنی زیر زمین لائبریری کی سیر کرائی تھی۔ وہ سب کچھ نظر کا فریب نہیں تھا۔ ایک حقیقت ہے۔ کیا تم نے خود ان کھوپڑیوں سے اپنی زبان میں باتیں نہیں کی تھیں جن کو مرے ہوئے سیکڑوں اور ہزاروں سال بیت چکے ہیں لیکن میری ساحرانہ طاقت نے آج تک ان کی ہیئت میں کوئی تبدیلی نہیں رونما ہونے دی اور تم پنڈت جسی دھر کو کیوں بھول رہے ہو کیا تمہیں یاد نہیں کہ میں نے اس کٹے ہوئے سر کو ہوا میں معلق کر کے کمرے میں طلب کیا تھا۔ اس نے تمہاری موجودگی میں دعویٰ کیا تھا کہ وہ بہت جلد قید سے رہائی حاصل کر لے گا لیکن وہ آج بھی پنجرے میں بند کسی بے بس پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے سب کچھ یاد ہے۔"

"میں نے کہا تھا کہ میں تمہاری ذات میں صرف اس لیے دلچسپی لینے کو آمادہ ہو گئی ہوں کہ اس راز کو پانا چاہتی ہوں جس نے تمہارے وجود کے گرد ایک ایسی سیاہ چادر تان رکھی ہے جس کے اس پار میری نظریں بھی نہیں پہنچ سکیں۔ تم نے میرے استفسار پر کہا تھا کہ تم ان نادیدہ قوتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"ہاں۔ میں نے یہی کہا تھا۔"

"تم نے جھوٹ کہا تھا۔" لیڈی مکارنس کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ "تم ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک سکتے ہو لیکن لیڈی مکارنس کو فریب نہیں دے سکتے۔ مجھے علم ہے کہ تمہیں زبان بند رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں تمہیں اس کے لیے مجبور نہیں کروں گی۔ میں اپنی طاقت سے اس معمے کو حل کروں گی چاہے اس کی خاطر مجھے اپنی زندگی بھی کیوں نہ داؤ پر لگانی پڑے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوک نگل کر رہ گیا۔ وہ جو کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ حرف بہ حرف صحیح تھا۔

"میں جس بلندی پر پہنچ چکی ہوں اسے کوئی دوسرا نہیں چھو سکا لیکن تم وہ واحد شخص ہو جو میری ذات پر شاید شبہ کر رہے ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"ہو سکتا ہے میرا خیال غلط ہو لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم مجھے بھی کالکا، موہنی اور کومل ورما جیسی حقیر قوتوں کی صف میں شمار کر رہے ہو۔" اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ مجھے کئی بار اس بات کا شبہ ہوا تھا کہ موہنی، کالکا، کومل ورما اور لیڈی مکارنس یہ سب ایک ہی شخصیت کے مختلف روپ ہیں۔

"جانتے ہو مسٹر شبر۔ نہ میرے بچے کہ میں نے اس وقت تم سے گہری نیند میں ملاقات کرنی کیوں ضروری سمجھی ہے؟"

"نہیں۔"

"اس لیے کہ تم مجھے بہت عزیز ہو۔ عزیز نہ ہوتے تو میں تمہیں اس لائبریری کی سیر بھی نہ کراتی جو اگر منظر عام پر آجائے تو دنیا کے عجائبات میں اسے پہلے نمبر پر ہونے کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔"

"ہاں۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا تم یہ جان کر خوش نہیں ہو گے کہ میری اس لائبریری میں ایک نئے شیشے کے پنجرے کا اضافہ ہوا ہے۔" اس نے معنی خیز انداز میں کہا پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے اس میں تمہاری کالکا کی وہ مورتی بند کر رکھی ہے جسے تم نے شنکر کے لیے حاصل کیا تھا۔"

"کیا؟" میں حیرت سے اچھل پڑا۔

aazzamm@yahoo.com

"ہاں میرے عزیز۔ وہ مورتی اب میری لائبریری کی زینت بن چکی ہے لیکن ابھی وہ نامکمل ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا۔

"میری ایک معمولی سی غلطی سے کالکا کی بدروح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی۔ مجھے اسی کی تلاش ہے اور میں بڑے یقین اور اعتماد سے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ ایک دن کالکا کی روح بھی میری مٹھی میں ہو گی۔ وہ میرے عجائب خانے میں ایک باب کا اضافہ کرے گی۔"

"کیا یہ فوری طور پر ممکن نہیں ہے؟" میں نے اسے کریدنے کی خاطر سوال کیا۔

"نہیں۔" لیڈی مکارنس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جو لوگ مچھلی کا شکار کھیلنے میں مکمل تجربہ رکھتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ جب خلاف توقع کوئی بڑی مچھلی نشک راڈ میں پھنس جائے تو اس اس وقت تک ڈھیل دینی پڑتی ہے جب تک وہ تھک کر نڈھال نہ ہو جائے دوسری شکل میں ڈور ٹوٹ جانے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اور جو مچھلی ایک بار فشنگ راڈ میں پھنس کر نکل جائے وہ دوبارہ آسانی سے شکار نہیں ہوتی۔ اسی اصول کے پیش نظر میں کالکا کی بدروح کو ڈھیل دے رہی ہوں لیکن وہ زیادہ عرصے تک میری دسترس سے دور نہیں رہے گی۔"

"کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟"

"پوچھو؟"

"کالکا اور موہنی۔"

"اور کومل ورما بھی۔" لیڈی مکارنس نے تیزی سے جواب دیا۔ "یہ سب ایک ہی قوت کے تین مختلف روپ ہیں۔ ایک تمہیں ڈراتا ہے دوسرا تھپکی دے دے کر سلاتا ہے اور تیسرا تمہاری مدد کر کے تمہیں اندھیروں میں بھٹکنے پر مجبور کرتا ہے۔"

"اوہ۔ آئی سی۔" میں نے حیرت سے کہا۔ میرا ذہن ایک لمحے کو چکرا کر رہ گیا۔

"تمہارے ماتحت مسٹر عابد کے ساتھ بھی ایک نئی سازش کی گئی ہے اور تمہیں غلط فہمی میں رکھا گیا ہے۔" لیڈی مکارنس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ غلط ہے کہ پہلے کالکا نے تمہیں کسی خطرے سے باخبر کیا تھا اور اپنی مجبوری کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی پھر موہنی نے کالکا کی طاقت کا مذاق اڑایا تھا۔"

"ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا۔"

"مسٹر سراج کی تبدیلی اور رام دیال کی تعیناتی کے پیچھے بھی تمہاری کالکا رانی کا ہاتھ ہے۔" اس بار لیڈی مکارنس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "دنیا میں تین چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو اندھا کر دیتی ہیں۔ بے پناہ طاقت کثیر المال و دولت اور کوئی حسین و جمیل عورت کالکا نے بھی ایک حسین عورت کے روپ میں ہی تمہیں شکار کیا تھا۔ وہ قدم قدم پر تمہارا اعتماد حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد کرتی رہی۔ یہ سچ ہے کہ پہلے وہ تم پر مہربان تھی لیکن جب مذہب کا مسئلہ درمیان میں آ گیا تو وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے کہنے پر تمہیں نقصان پہنچانے پر آمادہ ہو گئی۔"

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے لیڈی مکارنس کو دیکھ رہا تھا جو کالکا کی شخصیت کو بے نقاب کر رہی تھی پھر اس نے ایک ثانیے کی خاموشی کے بعد کہا۔

"جانتے ہو لیڈی مکارنس کی ساحرانہ قوتوں نے اس وقت اتنا طویل سفر کیوں اختیار کیا ہے؟"

"کیوں؟"

"تمہاری مدد کرنے کے لیے میرے عزیز۔" اس کے لہجے میں خلوص تھا۔ "کالکا یا موہنی نے تمہاری ساکھ کو برباد کرنے کی خاطر مسٹر عابد کو جس سازش کا شکار کیا ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو گی۔"

"لیکن رام دیال کے قبضے میں ٹھوس ثبوت موجود ہیں۔"

"میں ان کو بھی دیکھ لوں گی۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولی۔ "میں چھوٹے موٹے کھیل تماشے دکھانے اور شعبدہ بازی کی قائل نہیں ہوں لیکن صرف تمہاری خاطر۔ تمہاری خاطر میرے عزیز میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ اب تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر۔"

"اگر مگر کے چکر میں مت پڑو میرے بچے۔ اپنے دوست کی صلاحیتوں پر اعتبار کرو۔" لیڈی مکارنس نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر وہ غلط راستوں کا مسافر نہ ہوتا تو اپنے وجود کے اندر چھپی ہوئی ان لازوال طاقتوں کا استعمال بھی کر سکتا تھا جو نیلے آسمان نے اسے تحفتہً دی تھیں لیکن اب وہ بہت دور نکل گیا ہے۔ اتنی دور کہ شاید اب اس کی واپسی بھی ممکن نہیں۔"

"عابد کا کیا بنے گا؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔ "رام دیال کی تعیناتی اگر موہنی یا کالکا کے اشارے پر ہوئی ہے تو وہ مجھے آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔ خطرے کی تلوار ہر وقت میرے سر پر لٹکتی رہے گی۔"

"ڈونٹ وری مائی چائلڈ۔ گاڈ از گریٹ اور اب تم آرام کی نیند سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں۔"

اس کے بعد لیڈی مکارنس کی شخصیت آہستہ آہستہ دھوئیں میں تحلیل ہو کر میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی اور میرا ذہن ایک بار پھر نیند کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔



میں نے دفتر میں قدم رکھا تو عابد وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اداس اداس گردن جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ شرمندگی کے احساس نے شاید ابھی تک اسے پژمردہ کر رکھا تھا یا پھر وہ اپنے ناکردہ گناہوں کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ وہ میرا قابل اعتماد شخص تھا۔ میں نے اسے تمام آؤٹ ڈور کام سونپ رکھے تھے۔ اسے سیاہ و سفید کا پورا پورا حق دے رکھا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ناپاک قوتوں نے مجھے پھانسنے کے لیے اسے محض چارے کے طور پر استعمال کیا ہے لیکن عابد۔ ممکن ہے اسے اس بات کا غم لاحق ہو کہ اگر عدالت نے اس کے اقبال جرم اور ناجائز سونے کے تحویل میں رکھنے کے جرم میں کسی لمبی سزا کا مستحق قرار دے دیا تو اس کا اثر میری ذات پر بھی پڑنا لازم تھا۔

میں چند لمحے دروازے پر کھڑا اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتا رہا پھر اس نے میرے قدموں کی آہٹ سنی تو میری سمت دیکھ کر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نگاہوں کی لالی بتا رہی تھی کہ گزری ہوئی رات اس نے پلکوں کے نیچے گزاری ہو۔ شاید وہ ایک لمحے کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ اس وقت اس کا چہرہ بڑا ستا ستا سا نظر آ رہا تھا۔

"کیسے ہو عابد؟" میں نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے بڑی اپنائیت سے مخاطب کیا۔

"ٹھیک ہوں سر۔" اس نے مضمحل لہجے میں جواب دیا پھر میرا اشارہ پا کر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو؟"

جواب میں اس نے کچھ نہیں کہا۔ ایک لفافہ نکال کر ہاتھوں سے میرے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے اس میں؟" میں نے لفافے کو ہاتھ لگائے بغیر سوال کیا۔ فوری طور پر میرے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ شاید اس نے مجھے بچانے کی خاطر اپنا استعفیٰ پیش کیا ہے۔ غالباً اس نے سوچا ہو گا کہ میری ملازمت سے سبکدوش ہو جانے کے بعد وہ تنہا اپنے ناکردہ جرم کی پاداش میں سزا کا حقدار ہو گا۔

"آپ خود ہی دیکھ لیں سر۔" اس نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔

"مسٹر عابد۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تم نے میری ملازمت سے علیحدگی کا پروانہ پیش کیا ہے تو یہ میرے اور میری فرم کے حق میں زیادہ برا ثابت ہو گا۔ جانتے ہو کیوں؟ تم پولیس کو ایک بار تحریری بیان دے چکے ہو کہ تم سونے کی تجارت کا مذموم کام میری وجہ سے کر رہے ہو۔ اس لیے اب اگر تم نے اپنا بیان بدلا تو میرے لیے کچھ نئی دشواریاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔"

"یہ میرا استعفیٰ نہیں ہے سر۔"

"پھر؟"

"یہ بھی میرا تحریری اقبال جرم ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولا۔ "میں نے اس میں یہی لکھا ہے کہ میں آپ کی کمپنی کی آڑ میں ایک بڑا آدمی بننے کے خواب دیکھ رہا تھا جس کا آپ کی ذات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔"

"اور وہ بیان جو تم پہلے دے چکے ہو؟"

"وہ پولیس کے جبر و تشدد کا نتیجہ تھا۔" اس نے تیزی سے کہا۔ "وہ بیان پولیس نے آپ کو محض ملوث کرنے کی خاطر مجھ سے جبری طور پر لیا تھا۔"

"اس کا جواز کیا پیش کرو گے؟"

"پولیس کا مفاد۔" اس نے جواب دیا۔ "اس طرح وہ آپ سے لمبی لمبی رقموں کا مطالبہ کرنے کا پلان بنا رہے ہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا اس بیان کے بعد میرا نام اخباروں میں نہیں آئے گا؟ میری فرم کی ساکھ خراب نہیں ہو گی؟ نہیں مائی ڈیئر عابد تم نے جو فیصلہ کیا ہے وہ پولیس کے لیے میرے خلاف ایک نیا باب کھول دے گا۔"

"میں سمجھا نہیں سر؟"

"یہ بیان جو تم اب دے رہے ہو یہ تم نے میری ایما پر دیا ہے جس کے عوض میں نے تمہیں پانچ لاکھ روپے دیے تھے۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "پانچ لاکھ، جس کے بدلے میں کوئی بھی مجرم اپنے بیان سے منحرف ہو سکتا ہے۔"

"لیکن سر؟"

"جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔" میں نے اپنے سامنے پڑا ہوا لفافہ کھولے بغیر ٹکڑے ٹکڑے کر کے ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "شاید وہ قوتیں جو تمہارے بریف کیس میں رکھے ہوئے کاغذ کو سونے کے روپ میں تبدیل کر سکتی ہیں وہ اتنی کمزور نہیں ہیں کہ تمہارے دوسرے بیان کے بعد میرا پیچھا چھوڑ دیں گی۔"

"آپ شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں مگر۔"

فون کی گھنٹی بجی تو وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب سراج تھا۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے شہباز صاحب؟"

"وہی جو اس سے پہلے ہوتا آ رہا ہے۔" میں نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "میرے دشمن شاید آخری سانس تک میرا پیچھا چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"

"شاید اسی لیے مجھے اس علاقے سے ہٹایا گیا تھا جہاں رام دیال جیسا بدنام زمانہ انسپکٹر تعینات ہے۔" سراج کے لہجے میں جھلاہٹ تھی پھر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "کیا میں آپ

aazzamm@yahoo.com

کے کسی کام آسکتا ہوں؟"

"کل تک اس واقعے کی اطلاع شاید پریس تک نہیں پہنچی تھی لیکن کل جو اخبارات شائع ہوں گے وہی میری ساکھ کو تباہ کرنے کی خاطر۔"

"اس سلسلے میں آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔" سراج نے تیزی سے جواب دیا۔ "رام دیال نے کل ہی مسٹر عابد کو ضمانت پر رہا کرنے کے بعد پریس سے رابطہ قائم کیا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"میں سمجھا نہیں۔ اخبار والے تو ایسی خبروں کی تلاش میں تھانے تھانے بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

"اتفاق ہی سمجھئے جو میرے ایک ماتحت نے بروقت مجھے اس حادثے کی اطلاع کر دی۔ میں رام دیال کی کمینگی سے پوری طرح واقف ہوں۔ انتہائی کینہ پرور اور متعصب واقع ہوا ہے۔ مجھے توقع تھی کہ وہ مسٹر عابد کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد فوری طور پر پریس والوں کو فون کرکے درخواست کی کہ آپ کے خلاف کوئی خبر اس وقت تک کسی بھی اخبار میں نہیں آنی چاہیے جب تک عدالت کوئی فرد جرم عائد نہ کر دے۔" سراج نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ کے والد مرحوم نادر خاں صاحب میرے کرم فرماؤں میں سے تھے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔"

"میں آپ کا یہ احسان کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔" میں نے سچے دل سے کہا۔ "آپ نے میری برسوں کی محنت کو برباد ہونے سے بچا لیا ورنہ۔"

"قصہ کیا تھا؟" سراج نے مجھے جملہ مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا۔

"وہی مکروہ اور گندی قوتیں جو اس سے پیشتر بھی میرے خلاف کئی محاذ بنا چکی ہیں۔"

"مجھے علم ہے لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عین موقع پر قدرت نے آپ کو بال بال بچا لیا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اب بھی قدرت آپ کا ساتھ دے گی اور رام دیال کو منہ کی کھانی پڑے گی۔"

"میں کچھ باتیں ذاتی طور پر آپ سے مل کر کرنا چاہتا ہوں۔ شام کو آپ کہاں مل سکتے ہیں؟"

"میں گھر پر آپ کا انتظار کروں گا۔"

میں نے سراج سے گفتگو کرنے کے بعد عابد کی جانب دیکھا جواب بھی ملول نظر آرہا تھا۔

"مسٹر عابد آپ کو فی الحال صرف آرام کی ضرورت ہے۔ کم از کم دو روز تک آپ دفتر سے چھٹی کریں اور جو کچھ ہو چکا ہے اسے بھولنے کی کوشش کریں۔ بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

"سر۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ رام دیال مجھے گھر پر بھی سکون سے رہنے دے گا؟"

"آپ اس بات کی فکر نہ کریں۔ میرا کچھ تعلق قانون سے بھی رہ چکا ہے۔ جب تک آپ کو عدالت کے روبرو پیش نہ کیا جائے رام دیال آپ کو پریشان کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔"

جواب میں عابد نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ہونٹ کچھ کہنے کے لیے کھلے لیکن پھر وہ اپنا ارادہ ترک کرکے اٹھا اور نظریں جھکائے میرے آفس سے باہر چلا گیا۔

سراج کے فون آجانے کے بعد کم از کم میری یہ پریشانی دور ہو گئی تھی کہ عابد والی خبر اخبارات میں شائع ہو جانے کے بعد مجھے کتنا شدید دھچکا پہنچ سکتا تھا پھر میرے ذہن میں لیڈی مکارنس کا خیال جاگا جس نے گزشتہ رات مجھ سے خواب میں باتیں کی تھیں۔ اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ عابد والے کیس میں کوئی طاقت میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گی۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کاکا کی مورتی اب اس کی لائبریری میں محفوظ ہے لیکن تاحال وہ اس کی روح کو قابو نہیں کر سکی تھی۔ اس نے اعتراف کیا تھا کہ اس کی ایک معمولی سی غلطی نے کاکا کی مورتی سے اس کی آتما کو فرار ہو جانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ اس نے مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا تھا کہ موہنی اور کاکا ایک ہی شخصیت کے دو روپ ہیں جو بھیس بدل کر مجھ سے کسی بے جان کھلونے کی طرح کھیل رہی تھیں۔ کاکا کو دیوی دیوتاؤں کا آشیرواد حاصل تھا۔ وہ مجھے اپنے خوب صورت جال میں پھانس کر ماہی بے آب کی طرح مارنے کی خواہش مند تھی لیکن ابھی تک کمبل پوش بزرگ کی صندلی انگوٹھی اور ان کی روحانی قوتیں میرا تحفظ کر رہی تھیں۔ خدا کے اسی برگزیدہ بزرگ نے اجنا کے قبیل کے ایک مہربان کو بھی رہنمائی کے لیے تعینات کر دیا تھا۔ خود مجھے بھی اپنے خدا پر مکمل یقین تھا۔ میں حالات سے ہراساں نہیں تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ خدا اپنے بندوں کے حق میں جو کرتا ہے اس میں اس کی کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان کسی مشکل میں الجھ کر بھٹک جائے ورنہ اس مالک دو جہاں نے جو راہیں متعین کر دی ہیں اس پر چلنے والا کبھی زندگی اور حالات سے مایوس نہیں ہوتا۔ ایمان کی روشنی ہمیشہ اس کی رہبری اور رہنمائی کرتی رہی ہے۔

پھر سوچتے سوچتے میرا ذہن جوزف کی طرف بھٹک گیا۔ اگر لیڈی مکارنس اور سراج کا بیان درست تھا تو پھر رام دیال کے تبادلے میں اس کا ہاتھ بھی شامل ہو سکتا تھا۔ ابھی تک بظاہر ہم کھل کر ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئے لیکن درپردہ حالات نے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن ضرور بنا دیا تھا۔ اب تک جو حالات پیش آچکے تھے ان کے پیش نظر مجھے اس بات کا اعتراف تھا کہ بھوشن جرائم کی دنیا کا پرانا اور تجربہ کار کھلاڑی



ہے۔ اس نے ابھی تک اپنے پیچھے پولیس کی آسانی کے لیے کوئی سراغ نہیں چھوڑا تھا۔ سری رام یا کرشن شرما سے لے کر نائیگر سب ہی اس کے لیے کارآمد تھے لیکن وہ ایک ایک کو اپنی ساکھ برقرار رکھنے کی خاطر راستے سے ہٹاتا گیا۔ اسے یقیناً میرے بارے میں علم ہوگا۔ خان جابر اور بہرام دونوں اسی کے گرگے تھے۔ خان جابر نے میرے مکان میں آگ لگا کر میری ماں کو زندہ جلانے کی کوشش کی تھی۔ اس خطرناک کام کے لیے اسے گندی قوتوں نے آمادہ کیا ہوگا جو میرے خلاف برسر پیکار تھیں۔ بہرام بھی میری اطلاع کے مطابق اس سازش میں شریک تھا۔ ایسی صورت میں یہی سوچا جا سکتا تھا بھوشن مجھ سے متعارف نہ ہونے کے باوجود میرے خلاف ماؤس ٹریپ بن رہا تھا۔ ندیم نے ولیم پوکر کی شخصیت کو پیدا کرکے بھوشن کے خلاف یقیناً کچھ ذہنی پریشانیاں پیدا کر دی تھیں۔ اسی فرضی کردار کی آڑ لے کر میں نے روبی سومو کو موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن اس کی موت میرے اعمال میں ایک سنگین گناہ کے اضافے کے سوا اور کسی کام نہیں آسکی تھی۔ اگر وہ بھوشن کے خلاف گواہی دینے پر آمادہ ہو جائے تو اس کی گواہی ہمارے لیے خاصی کارآمد ثابت ہو سکتی تھی لیکن وہ بھوشن کی شخصیت سے اس قدر خوف زدہ تھا کہ موت کو گلے لگانے پر آمادہ ہو گیا۔

ماسٹر نے کرشن شرما کے آپریشن کے دوران جو ویڈیو کیسٹ تیار کی تھی وہ ابھی تک ندیم کے پاس محفوظ تھا۔ کرشن شرما سے گفتگو کا ایک آڈیو کیسٹ میری تحویل میں بھی تھا جس میں اس نے اعتراف کیا تھا کہ وہی بھوشن جوزف کے لیے ہیرے جواہرات کی اسمگلنگ کا کام انجام دیا کرتا تھا پھر اچانک میرے ذہن میں کرشن شرما کے حوالے سے گیتا کا نام ابھر آیا۔ اس نے کہا تھا کہ بھوشن نے اس کی بیوی کو اپنے قبضے میں کرنے کے بعد ہی اسے ناجائز تجارت پر مجبور کیا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق گیتا کا شمار خوبصورت اور حسین عورتوں میں کیا جاتا تھا اور بھوشن عورتوں کے معاملے میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ندیدہ واقع ہوا تھا۔ گیتا کے نام کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خیال بڑی سرعت سے ابھرا۔ اگر گیتا کو کسی طرح بازیاب کرا لیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ اپنے شوہر کی موت کی خبر سننے کے بعد بھوشن کے کرتوتوں کے خلاف زبان کھولنے پر مجبور ہو جاتی مگر اس بات کی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ بھوشن نے ابھی تک اسے زندہ رہنے دیا ہوگا۔ ممکن ہے کرشن شرما کی گرفتاری اور اس کو مروانے کے بعد اس نے گیتا کو بھی اپنی راہ سے ہٹا دیا ہو۔ یوں بھی وہ افراد جو عورت کو کھلونا سمجھتے ہیں اس کے ساتھ دل بہلانے کے بعد اسے توڑ کر کسی نئے کھلونے کی تلاش میں لگ جاتے ہیں اور پھر گیتا بھوشن کے لیے خان جابر اور بہرام سے زیادہ اہم بھی نہیں تھی۔

خاصی دیر تک ذہنی جمناسٹک کرنے کے بعد میں نے ریسیور اٹھایا اور ماہ رخ کے نمبر گھمانے لگا۔ ندیم کے بیان کے مطابق وہ ایک کامیاب شکاری تھی اور اپنے شکار کو پھانسنے میں خاصی تجربہ کار بھی تھی۔ اگر وہ بھوشن کو کسی طرح ٹریپ کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو کام بن سکتا تھا۔

"ہیلو۔" تیسری گھنٹی پر دوسری جانب سے جس نے کال ریسیو کی وہ ماہ رخ کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

"میں شہباز بول رہا ہوں۔"

"زہے نصیب۔" وہ میری آواز سنتے ہی ترنگ میں آگئی۔ "آج میری یاد آپ کو کیسے آگئی؟"

"معافی چاہتا ہوں۔" میں نے دل پر جبر کرکے کہا۔ "دوھر کچھ مصروفیات زیادہ تھیں اس لیے۔"

"کیا اب بھی اتنی فرصت نہیں ہے کہ آپ فون کرنے کے بجائے بنفس نفیس مجھے اپنی میزبانی کا موقع دیتے۔" اس کے لہجے میں بے باکی اور عریانیت کا عنصر شامل تھا۔ وہ میری نظروں کے سامنے نہیں تھی لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ جملہ ادا کرتے وقت ایک توبہ شکن انگڑائی ضرور لے رہی ہوگی یا پھر اس کی خمار آلود اور ساحرانہ آنکھوں میں کئی جام چھلک اٹھے ہوں گے۔

"مجھے دراصل آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ضروری بات۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر لگتی آواز میں کہا۔ "ضروری باتیں فون پر نہیں ہوا کرتیں اور میرے دروازے بھی ابھی تک آپ کی خاطر کھلے ہوئے ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی مگر۔"

"آپ غالباً" اس کے لہجے تیز اور تو مجھے بیزر کی باتیں کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے بھوشن، جوزف کا نام لینے کے بجائے محاورے سے کام لیا۔

"آپ خاصی ذہین بھی واقع ہوئی ہیں۔" میں نے اسے اکسانے کی کوشش کی۔

"میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں میری اور آپ کی بات پہلے بھی ہو چکی ہے۔" وہ کہنے لگی۔ "یہ کام زیادہ مشکل بھی نہیں ہوتے پھر بھی وہ... تھوڑی بہت فیس ضرور وصول کرلیتا ہے اور میں۔" اس کا لہجہ معنی خیز ہو گیا۔ "میں شاید آپ کو بہت کھل کر بتا چکی ہوں کہ آپ کے کام کے عوض میرا کیا معاوضہ ہوگا۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آسانی سے ٹریپ ہو جائے گا۔"

"یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ صرف میری فیس پر غور کرلیں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بہ مشکل جواب دیا۔ "میں کسی وقت حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔"

aazzamm@yahoo.com